اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانیت اور اسلام

قارئین کرام!　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہم اس دنیا میں اشرف الخلوق بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لیکن اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ہم انسانوں پر بہت ساری ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ اب ان ذمہ داریوں سے بکلی عہدہ برآ ہونے میں ہی ہماری کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ مثال کے طور پر اپنے اپنے گھر میں ہمیں اور آپ کو تمام افراد خانہ کے لیے ضروریات زندگی کی چیزیں فراہم کرنے کا ذمہ سماج اور خاندان نے دیا ہے۔ آپ کے گھر میں آپ کی بیوی بھی رہتی ہے اور آپ کے بچے بھی، لیکن ان کی ضروریات زندگی کی کفالت آپ کی ذمہ داری ہے اگر آپ ان تمام ذمہ داریوں سے دامن جھاڑنا چاہیں تو کیا سماج یا معاشرہ یا خود آپ کے اہل وعیال آپ کو اپنا کفیل سمجھیں گے؟ یقیناً نہیں۔ اور آپ کو اپنا کفیل نہ سمجھنے میں ان کی غلطی اس لیے نہیں کہ آپ پر جو ذمہ داریاں دی گئی تھیں وہ آپ نے پوری نہیں کیں۔ اسی طرح ہم اگر چند لمحوں کے لئے سوچیں تو سہی کہ ہمیں جو اشرف الخلوقات بنایا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو ذمہ داریاں ہم کو دی گئی ہیں، اگر ہم ان ذمہ داریوں کو بخوبی انجام نہ دیں تو کیا پھر بھی ہم اپنے آپ کو اشرف الخلوقات کہیں گے؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اشرف الخلوق بنانے کے بعد جو ذمہ داریاں ہم کو دی گئی ہیں وہ کون سی ذمہ داریاں ہیں؟ اس سلسلہ میں دنیا کے تمام مذاہب گواہ ہیں۔ اور آخری دین اسلام نے بھی بدرجہ اتم ہمیں اشرف الخلوق کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا ہے اور صاف صاف لفظوں میں ہماری ذمہ داریاں بھی بتادی ہیں اور ان فرائض کی مکمل طور پر ادائیگی کو ایمان قرار دیا ہے۔

لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج اس کامل ترین مذہب اسلام کے پیرو بھی ان ذمہ داریوں کے احساس سے عاری ہیں اور اپنے مخصوص گروہ کو چھوٹے چھوٹے گلوں میں بانٹ کر آپس میں ہی دست وگریباں ہیں۔ افسوس کہ آج ہم یہ فراموش کر چکے ہیں کہ ہم اشرف الخلوق ہیں اور خدائے واحد نے ہمیں اس دنیا میں جس عہدے پر متمکن کیا ہے وہ عہدہ جلیلہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اپنے اعمال، افعال اور کردار سے پوری دنیا کو امن کدہ، راحت کدہ اور رشک فردوس بنادیں۔ دنیا میں نظام اللہ قائم کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دنیا کے لوگ خوش وخرم رہیں انسان انسان کا دشمن نہ ہو کوئی کسی کی تکذیب نہ کرے، لالچ، بغض اور حسد سے پاک دھرتی پر خوف ودہشت کا سامراج قائم نہ ہو۔ کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ عورتوں کی عزت کی جائے، بچوں کی بہتر سے بہتر نگہداشت ہو۔ ہر شخص اپنی اہلیت کے مطابق اپنا رزق حاصل کرے اور خدائے واحد کا ہر دم شکر گذار ہو۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کے ذریعہ دین اسلام سے متعلق آسان اور عام فہم زبانوں میں لٹریچر بھی فراہم کرتے ہیں اور ہر مہینے ''چودھویں صدی'' کے ذریعہ بھی ملک اور بیرون ملک کے ہزاروں افراد سے مکالمہ کرتے ہیں۔ خدا کے فضل سے بیداری کی لہر تیز ہو رہی ہے اور ہزاروں فرزندان توحید ہماری آواز میں آواز ملا رہے ہیں اور غیر مسلم برادران بھی بڑی دلجمعی سے ہماری باتیں سنتے ہیں اور ہمارے ہمدردوں کی فہرست میں شامل ہو رہے ہیں۔

دراصل آج پوری دنیا جس قحط الرجال کا شکار ہے اس کے سامنے مسلک اور عقیدہ سے زیادہ اہم انسانیت کی بقا کا سوال ہے اور مذہب اسلام اس سلسلے میں ٹھوس نظریہ رکھتا ہے۔ مذہب اسلام کی بنیاد میں اخوت وہمدردی کی اینٹیں چنی ہوئی ہیں طبقاتی اور معاشی جھگڑوں سے پاک یہ مذہب پوری دنیا کو راستی کی سمت لے جانے میں قائد کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ مسلمانوں کا ہی بڑا طبقہ اس حقیقت کو فراموش کر چکا ہے اور خوار وزبوں ہو رہا ہے۔

آج کی مادیت ہمیں سکون دائمی فراہم کرنے سے قاصر ہے اس سلسلے میں پوری تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے اور کافی بحث ومباحثے کے بعد اب پوری دنیا کے صاحب بصیرت لوگ اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ اگر نوع انسانی اپنی خیریت چاہتی ہے تو اسے لازماً کلچر کے ایک روحانی استحکام کی طرف پلٹنا ہوگا۔ اب اخلاقی انضباط کا دوبارہ حصول اور روحانی نظام کی طرف واپسی انسانی بقا کے لیے ناگزیر شرط کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اب روحانی شیرازہ بندی کی ضرورت ہے۔ جس کے ذریعہ اخلاق اور کلچر کے درمیان وہ مرکزی تعلق بحال ہو جائے جو انسانی ارتقاء کی ہر سطح پر اور ہر دور میں موجود رہا ہے۔

ان تمام روحانی نظام اور اخلاق وکلچر کا منبع دین اسلام ہے، اور اس کا مینی فیسٹو یعنی قرآنی تعلیمات کو عام کرنا ہے تاکہ ہم اشرف الخلوق کہے جانے کے اہل ثابت ہوں۔

ماہنامہ چودھویں صدی اور اس کے رفقاء اس سلسلے میں مسلسل کوشاں ہیں اگر آپ اس عظیم مقصد کے حصول میں ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا قلمی تعاون کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔　　ایڈیٹر

بین الاقوامی اتحاد اور بین الاقوامی عدل وانصاف کی تعلیم

مولانا صدرالدین

شرع لكم من الدين ماوصى به نوحاً والذى اوحينا اليك وماوصينابه ابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ ان اقيموا الدين ولاتتفرقوا فيه.

یعنی اے لوگو! خدا نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس پر چلنے کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور اے پیغمبر! تمہاری طرف بھی ہم نے اسی رستہ کی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

اس آیت کریمہ نے اس حقیقت کو عیاں کیا ہے کہ دین اسلام جس کی دعوت رسول اللہ ﷺ دیتے رہے ہیں تمام انبیاء کا دین چلا آ رہا ہے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے جو سب سے قدیم نبی ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم کا ذکر کیا ہے جن کو یہودی، عیسائی اور مسلمان یکساں طور پر قابل تعظیم اور قابل اتباع یقین کرتے ہیں بعد ازاں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ دونوں بزرگ ہستیاں یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک قابل تعظیم اور لائق اتباع ہیں۔

غرض اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ محمد عربی ﷺ اسی دین کی تلقین کرتے ہیں جس دین کی تلقین دنیا بھر کے مقدس ترین انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔

ایسے عالمگیر دین کی تلقین کرنے کا مقصد عظیم اقوام عالم کو متحد کرنا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے امن قائم ہوتا ہے اور فساد مٹتا ہے۔ آج دنیا میں ہر طرف فساد ہے۔ جس نے انسانیت کو پریشان اور مضطرب کر رکھا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں امن کا زمانہ دیکھنے کی تڑپ ہے۔ علوم کی روشنی بڑھ رہی ہے مگر حسد وبغض وعداوت کی تاریکی دور نہیں ہو رہی۔ اس تاریکی کو دور کرنے اور امن قائم کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً تجاویز کی جاتی رہی ہیں۔ مگر وہ سطحی ہونے کی وجہ سے مؤثر ثابت نہیں ہوئیں۔

حقیقی اتحاد وامن اس تلقین سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم تمام قوموں کے لئے پیغامبروں اور راہنماؤں کی نہ صرف تعظیم وتکریم کریں بلکہ ان پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ ان کے وجود باوجود کی اتباع سے ہر قوم میں نیک ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔

ایسا ایمان رکھنے سے دلوں میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جو تعصب کی تاریکی کو دور کرتا ہے، جب تک دل اس نقصان دہ تعصب سے پاک نہ ہوں تب تک بین الاقوامی اتحاد میسر نہیں آ سکتا۔ بین الاقوامی اتحاد پیدا کرنے کا مؤثر نسخہ یہی ہے جو رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ تمام اقوام کے پیغامبروں اور راہنماؤں کے برحق ہونے پر ایمان لایا جائے اور اس امر پر یقین کیا جائے کہ ہر زمانہ میں ان بزرگ ہستیوں کے فیض سے ہر قوم میں نیک اور صالح انسان موجود ہوتے رہے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس مؤثر تلقین کی برکت سے عرب کے رہنے والے تمام لوگوں کو متحد کر دکھایا اور اسی مجرب نسخے سے آج بھی دنیا میں حقیقی اتحاد وامن کی بنیادیں رکھی جا سکتی ہیں۔

کائنات میں جو قوانین جاری وساری ہیں وہ عالمگیر ہیں سورج وقمر تمام قوموں کو یکساں طور پر فیض پہنچاتے ہیں۔ بارش بھی تمام قوموں پر برستی اور ان کے لیے غلہ جات ومیوہ جات پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح ہوا بھی تمام کے تمام انسانوں اور حیوانوں کو میسر ہوتی اور ان کی زندگی قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

غرض زندگی کے قیام کے لیے جو اسباب ازبس ضروری ہیں وہ سب کی سب قوموں کے لیے مہیا ہیں۔ کائنات کے یہ عالمگیر قوانین اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کائنات کا بادشاہ ایک ہی ہے۔ اور اس کی اس توحید کا ایک اہم مقصد انسانیت میں وحدت پیدا کر کے امن وامان کی زندگی پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کان الناس امة واحدة یعنی تمام اقوام عالم ایک ہی جماعت کا حکم رکھتی ہیں۔ اگر روشنی، پانی اور ہوا وغیرہ ہر ایک قوم کو ان کی جسمانی تربیت کے لیے عنایت کی گئی ہیں تو روحانی تربیت کے لئے ہر ایک قوم کو روحانی بارش برنگ الہامی کتاب مرحمت فرمائی گئی ہے۔

چونکہ وحی الٰہی کا سرچشمہ ایک ہی ہے اس لیے اصول وحی بھی ایک ہی چلے آرہے ہیں جیسا کہ فرمایا وماارسلنامن قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لااله الا انا فاعبدون۔اے پیغمبر تجھ سے پہلے جس قدر انبیاء بھیجے گئے ان سب کی طرف یہی وحی کی گئی کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں، میری ہی عبادت کرو۔اگر حضور نبی کریم ﷺ نے توحید باری تعالیٰ کا سبق دیا تو یہی سبق خدا کے تمام پیغمبروں نے دیا جو حضور ﷺ سے پہلے مختلف اقوام کی رہبری کے لیے مبعوث کئے گئے تھے۔

غرض توحید باری تعالیٰ کا ایک اہم مقصد اقوام عالم میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ یہ مقصد توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔اور باری تعالیٰ کے احکام کی پابندی سے ہی حسن کردار جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ عالمگیر تعلیم جو بین الاقوامی مذہب کی حیثیت رکھتی ہے، تمام دنیا کے لیے مفید ہے۔اسی لیے اس تعلیم کی تلقین کرنے والے کو رحمۃ للعالمین کا لاجواب لقب عنایت کیا گیا ہے۔

جس طرح بین الاقوامی مذہب اقوام عالم کو متحد کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے اسی طرح بین الاقوامی عدل وانصاف کو رواج دینا اقوام عالم کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے۔

اس اہم غرض کے پیش نظر حضور نبی کریم ﷺ کو ذیل کا حکم دیا گیا:

لایجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلوا اعدلوا هواقرب للتقویٰ واتقواالله ان الله خبیر بماتعملون

(مائدہ: آیت ۸)

یعنی کسی قوم کا تمہارے ساتھ دشمنی رکھنا تم کو اس جرم کے ارتکاب کا اشتعال نہ دلائے کہ معاملات میں انصاف نہ کرو۔ ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوہ انصاف تقویٰ کے قریب تر ہے۔اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت الٰہی کی ہمیشہ ہمیشہ تعمیل کی چنانچہ ذیل کا تاریخی واقعہ اس پر گواہ ہے۔

مدینہ کے ایک یہودی کے گھر سے چوری کی زرہ بکتر برآمد ہوئی جب اس پر مقدمہ چلایا گیا تو اس نے اپنی بریت ثابت کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ طعمہ انصاری نے یہ زرہ بکتر چرا کر میرے گھر ڈال دی ہے، اس لیے وہ مجرم ہے اس کو سزا دی جائے۔

جب طعمہ انصاری پر مقدمہ کھڑا کیا گیا تو انصار مدینہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ طعمہ بے گناہ ہے اس کو بچایا جائے، ورنہ ہماری ساری قوم کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ یہ بھی عرض کیا کہ طعمہ کے مقابلے پر ایک یہودی ہے جو دشمن اسلام ہے اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جب معاملہ کی تفتیش کی تو طعمہ مجرم پایا گیا۔حضور نے یہودی کو بری کر دیا اور طعمہ کو سزا دی گئی۔

اس طرح حضور نے لایجرمنکم شنان قوم کے حکم کی تعمیل کر کے دشمن قوم کے فرد کو بے قصور قرار دیا اور بین الاقوامی عدل کی نہایت اہم مثال قائم کر دکھائی۔ ظاہر ہے ایسا کئے بغیر اقوام عالم میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔اس ضمن میں ایک سبق آموز واقعہ سناتا ہوں۔

مجھے ایک دفعہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر ٹریور ہیرس سے ملاقات کا موقع ملا۔ میں نے ان کو مخاطب کیا اور کہا عام طور پر انگریز جج مقدمات کے فیصلوں میں عدل وانصاف ملحوظ رکھنے میں مشہور ہیں ۔مگر جب کبھی انگریز اور ہندوستانی کے مابین مقدمہ ان کے سامنے آیا تو ہر بار انگریز جج ناانصافی کا مرتکب ہوا۔ یہ سخت اتہام سن کر چیف جسٹس کا رنگ اڑ گیا اور اس پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا۔اس پر میں نے ان کو مخاطب کر کے قرآن کریم کی مذکورہ آیہ کریمہ سنائی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو دشمن قوم کے معاملہ میں حقیقی عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے اور اس حکم کی بناء پر حضور ﷺ نے ایک یہودی اور مسلمان طعمہ انصاری کے درمیان مقدمہ کا فیصلہ یہودی کے حق میں دیا تھا۔چیف جسٹس اس واقعہ کو سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

غرض بین الاقوامی عدل وانصاف قائم کرنے والی شخصیت حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ جو دنیا بھر کے حاکموں کے لئے نمونہ ہیں۔ بین الاقوامی عدل وانصاف کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔

حضور کو خدا تعالیٰ نے دکھایا کہ مصر میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگی ۔اس خوشخبری کی روشنی میں حضور نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ستفتحون مصراً اوصوابابا هله خیرا فان لهم ۔ذماً ورحماً ۔اے میری قوم آپ لوگ مصر فتح کرنے والے ہو ان لوگوں کی خیرخواہی ملحوظ رکھنا۔ کیونکہ ان کے ساتھ مسلمان کو یہ عہد خداوندی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جائے گی اور دوسرا یہ امر ہے کہ اہل مصر کے ساتھ مسلمانوں کا ایک رشتہ بھی ہے اس رشتہ کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔ اس میں اشارہ یہ تھا کہ ہماری دادی اماں ہاجرہؑ دختر مصر ہیں جب مصر فتح ہوا۔ تو عمرو بن عاص فاتح مصر کو اس ملک کا گورنر مقرر کیا گیا۔

ان کے عہد میں ان کے فرزند نے ایک قبطی عیسائی کو زدوکوب کیا۔ واقعہ کی رپورٹ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے باپ اور بیٹا دونوں کو مدینہ طیبہ میں طلب کیا اور اس میں باپ کے وقار کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا اس لیے کہ حضرت عمرؓ جھوٹے قومی وقار کو قائم رکھنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص گورنر مصر کو جواب دہی کے لیے مصر سے چل کر مدینہ طیبہ حاضر ہونا پڑا۔ اور عام لوگوں کے سامنے فاروق اعظمؓ نے عمرو بن عاص کو ان الفاظ میں ملامت کی منذکم تعبدتم الذین ولدتهم امهاتهم احراراً۔ یعنی جن لوگوں کو ان کی ماؤں نے احرار جنا تم نے کب سے ان کو غلام بنانا شروع کر رکھا ہے اس طرح باپ اور بیٹا دونوں ایک قبطی عیسائی کے مقابلہ میں مورد عتاب ہوئے۔

ایک اور واقعہ کا بیان کرنا بھی اسی طرح سبق آموز ہوگا وہ یہ ہے:

حضور نبی کریم ﷺ کے حین حیات میں یمن پر جو یہودی علاقہ تھا مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ اس علاقہ پر حکومت کرنے کے لئے حضور نے معاذ بن جبل اور ابو عبیدہ جیسی جلیل القدر شخصیتوں کو منتخب فرمایا۔ جب وہ دونوں روانہ ہونے لگے تو حضور ان کی عزت افزائی کے لیے ان کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے اور یہودیوں جیسی غیر مسلم قوم پر حکومت کرنے کا دستور پبلک میں اس طرح بیان فرما رہے تھے کہ تم دونوں اس قوم پر حکومت کرنے جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ یہ امر ملحوظ رکھنا اور یاد رکھنا چاہئے کہ الایمان یمان والحکمة یمانیة۔ یعنی وہ لوگ اہل ایمان ہیں اور وہ دانشمند ہیں۔ یسرا و لا تعسرا حکومت کرنے میں نرمی اختیار کرنا اور سختی کو روا نہ رکھنا۔ مزید فرمایا بشراً و لا تنفرا حکومت کا رنگ ایسا ہو جو ان کی خوشی کا باعث ہو منافرت پیدا کرنے کا موجب نہ ہو اور فرمایا ایاکم وکرائم اموالهم حکومت کرنے کی غرض محکوم قوم کے اموال ہڑپ کرنا نہیں ہے۔ یعنی ان کے اموال پر تمہارا ہاتھ نہ پڑنا چاہئے اور فرمایا اتق دعوة المظلوم لیس بینها وبین الله حجاب۔ غیر مسلم پر ظلم نہ کرنا کیونکہ اس کی آہ جو مسلمان حاکم کی وجہ سے اس کے مظلوم دل سے پیدا ہوگی وہ سیدھی خدا تک پہنچے گی اس میں کسی قسم کی روک حائل نہ ہوگی گویا جس طرح مصر کے عیسائیوں کے حق میں حضور ﷺ نے تلقین فرمائی تھی اسی طرح یمن کے یہودیوں کے حق میں بھی ہدایت فرمائی۔ پس بین الاقوامی عدل وانصاف کرنے کے لیے حضور کی ہدایت کے مطابق پورے طور پر عمل کیا گیا۔

یہ ہے حضرت نبی کریم ﷺ کی تعلیم جس پر حضور نے اقوام عالم کو متحد کرنے کا اصول بھی بیان فرمایا اور اس پر عمل بھی ہوتا رہا اسی طرح اقوام عالم کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کا اصول بھی بیان فرمایا اور اس پر پورے طور پر عمل کیا گیا اس لیے یہ کہنا خلاف حق نہیں کہ اس فساد کے زمانہ میں اگر کسی پیغمبر کی تعلیم اتحاد وامن قائم کر سکتی ہے تو وہ حضور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے۔ اور اگر اس پر آشوب زمانہ میں کسی پیغمبر کی تعلیم بین الاقوامی عدل وانصاف قائم کر سکتی ہے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم ہے۔

اب میں اس بات کو اتنا کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ محمد عربی ﷺ اس زمانہ کے پیغمبر ہیں اور قیامت تک کے لئے پیغمبر ہیں یہی مقصد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہے کہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہ کی جائے اور رسول کریم کے سوائے کسی کی راہنمائی قبول نہ کی جائے۔

☆☆☆

رسالت کی روشنی

چمکی ہے یوں جہاں میں رسالت کی روشنی
نکلے حرم سے جیسے عبادت کی روشنی

احسان دشمنوں پہ بھی کرتے رہے نبی
دیکھی نہ ہم نے ایسی عنایت کی روشنی

ہر لفظ آفتاب بلاغت تھا آپ کا
تقریر کیا تھی بس بھی فصاحت کی روشنی

یہ آمنہ کا چاند بھی کتنا عظیم ہے
اب تک جودے رہا ہے صداقت کی روشنی

اقوال جن کے ماہِ منور ہیں آج تک
ان کا ہراک عمل تھا ہدایت کی روشنی

امید ہے یہ امت عاصی کو آپ سے
روزِ حساب دیں گے شفاعت کی روشنی

در سے نبی کے تم کو ملے گی اسدؔ ضرور
حسن عمل کی علم و فراست کی روشنی

ﷺ

اسد رضا

پہلی قسط

مقام حدیث

از: مولانامحمدعلی لاہوری ؒ

''**مقام حدیث**'' یہ حضرت مولانا محمد علی صاحب لاہوری کی معرکۃ الآرا تحقیقی کتاب ہے جس کے ذریعہ انہوں نے حدیث نبوی کی اہمیت وافادیت پر تاریخ وتدوین کی روشنی میں سیر حاصل علمی وتحقیقی گفتگو کی ہے۔اس کتاب نے بہت ساری ایسی غلط فہمیوں پر سے پردہ اٹھایا ہے جن غلط فہمیوں کی بنا پر کچھ لوگ حدیث نبوی کی محبت میں غلو کی حد تک آگے بڑھ گئے ہیں اور ایک دوسرا گروہ قرآن کے آگے احادیث نبوی کو ایک تنکے کی حیثیت نہیں دیتے اور اسے نہایت بے باکی سے سرتاپا مجموعہ ہزلیات اور مفتریات قرار دے دیا ہے۔نعوذ باللہ من ذالک

مولانا محمد علی لاہوری نے اس طویل مقالے میں ان دونوں گروہوں کی افراط وتفریط پر تاریخی وتحقیقی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔

قارئین چودھویں صدی قسط وار سلسلہ اس کا مطالعہ فرمائیں گے۔اس سلسلے میں ہم قارئین کے اظہار خیال کے متمنی ہیں۔ (ادارہ)

باب اول

صداقت حدیث پر اندرونی اور بیرونی حملے

حدیث کی صداقت اور اعتبار پر اس زمانہ میں دو قسم کے حملے ہوئے ہیں۔ایک بیرونی اور دوسرے اندرونی۔ بیرونی حملے سر ولیم میور اور سپرنگر وغیرہ عیسائی مصنفین کی طرف سے ہوئے ہیں۔اور اندرونی حملے مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی طرف سے اور کسی قدر آزاد خیال لوگوں کی طرف سے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہ قیاس ہونا چاہئے تھا کہ اندرونی خیالات کا اثر بیرونی لوگوں پر پڑا ہو۔مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔اور نہ صرف یہی بلکہ جہاں بیرونی حملہ آوروں کو ایک حد تک حدیث کی صداقت اور اعتبار کا اعتراف ہے۔ اندرونی حملہ آور سارے عظیم الشان مجموعہ حدیث کو جس کے اندر بہتیرے علم دین اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے برگزیدہ اصحاب کے حالات محفوظ ہیں۔ ایک تنکے کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔ بلکہ تمام کی تمام احادیث اور ان کے ہر ایک لفظ کو یا فعل کو جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے آپ پر بہتان وافترا قرار دیتے ہیں۔اس مختصر رسالہ میں دونوں قسم کے اعتراضات کا جواب ہوگا۔

سر ولیم میور اپنی کتاب ''لائف آف محمد(ﷺ)'' میں احادیث کی بحث میں لکھتے ہیں۔''محمد ﷺ کی وفات کے بعد ان کے پیرووں کا سب سے بڑا شغل جنگ تھا........لمبی تھکا دینے والی مہمات جنگی کی ثقالت اور ایک جنگ سے دوسری جنگ تک بیکاری کا وقفہ ایک سادہ اور نیم وحشی قوم کے لیے غفلت شعاری کا موجب تھا۔اسی ثقالت کے دور کرنے کا علاج اور ان وقفوں کا شغل بے تکلف بات چیت یا باقاعدہ گفتگو میں گذشتہ واقعات کی یاد تھی۔ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ پر جوش گفتگو کا مضمون سوائے اس شخص کے اقوال اور افعال کے اور کیا ہو سکتا تھا جو اس فاتح قوم کے وجود میں آنے کا موجب ہوا تھا اور جس نے ان کے ہاتھ میں اس دنیا اور بہشت دونوں کی کنجیاں دے دی تھیں۔اس طرح پر محمد(ﷺ) کے پیرووں کی گفتگو زیادہ تر انہی کے متعلق ہوتی تھی.....یہ وہ مواد تھا جس سے حدیث نے خوب ترقی کی۔''

اس مضمون میں میور نے بڑی رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔مگر اکثر عیسائی مصنفین کی طرح گو اس خیال کی ایجاد میں انہوں نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے اور اس کو خوب سجا کر ایک خوشنما رنگ میں پیش کیا ہے جس سے ایک ناواقف آدمی کو ٹھوکر لگ سکتی ہے۔لیکن واقعات تاریخی پر ایک سرسری نگاہ میور صاحب کی اس رنگ آمیزی کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے کہ جنگوں کے اندر بے شغلی کے زمانہ میں یہ کہانیاں ایجاد ہوئیں تاکہ نکمے لوگوں کا وقت ان قصہ گوئیوں میں گذر جائے،اور بوجھل معلوم نہ ہو۔حالانکہ جب ہم واقعات کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی روایت میں ان لوگوں کا حصہ عشر عشیر سے بھی بہت کم ہے۔جن کا تعلق جنگوں سے تھا بلکہ بیشتر حصہ احادیث کا ان صحابہ سے مروی ہے جن کا کام علوم دینی کی اشاعت

اوردرس وتدریس تھا اور بڑے بڑے فاتحین اور سپاہیوں کی روایات کو اگر کوئی تلاش کرنا چاہے تو بہت ہی کم احادیث ان سے ملیں گی۔ایک حضرت ابوہریرہؓ ہی کو لے لو جن سے سب سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں،ان کا تعلق جنگوں سے کوئی نہ تھا نہ وہ جنگوں میں شامل ہوئے لیکن کل مجموعہ حدیث میں جن کی تعداد بلا تکرار کنز العمال میں بتیس ہزار ہے۔ پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں ان سے مروی ہیں یعنی چھٹے حصے سے بھی زیادہ۔

دوسری طرف حدیث کی سب سے معتبر کتاب لے لو اور دیکھو کہ اس میں ایسی حدیثیں کس قدر ہیں جن کی روایت ان صحابہ تک پہنچتی ہو جو جنگوں میں بہت حصہ لینے والے تھے اور ایسی احادیث کس قدر ہیں جو ان صحابہ تک پہنچتی ہوں جو جنگوں میں شریک نہ ہوتے تھے۔ دونوں قسموں میں سے پانچ چھ بڑے بڑے صحابہ کو لے لو۔ایک طرف خالد بن ولید،ابوعبیدہ،ابوسفیان،یزید بن ابوسفیان،عکرمہ،ضرار،ابن الازور ہیں، اوران کے مقابل دوسری طرف ابوہریرہ،انس بن مالک،عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن عمر،عائشہ صدیقہ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اول الذکر گروہ میں سے بخاری میں صرف ایک حدیث ابوسفیان کی آئی ہے،اور موخر الذکر گروہ میں سے حضرت ابوہریرہؓ کی ۴۴۶، انس بن مالکؓ ۲۶۸،عبداللہ بن عمرؓ ۲۷۰،عبداللہ بن عباسؓ ۲۱۷،حضرت عائشہ صدیقہؓ ۲۴۲،دوسری عورتیں ۳۷،حضرت عمرؓ ۶۰،حضرت علیؓ ۴۹،حضرت ابوبکرؓ ۲۲،حضرت عثمانؓ ۹، کل ۱۶۴۶ ہیں۔ مقام غور ہے کہ یہ کتنا بڑا جھوٹ میور صاحب نے حدیث پر اعتراض کرنے کے لیے لکھ دیا ہے کہ جنگوں میں شامل ہونے والے لوگ قصہ گوئی کے طور پر حدیثیں بنالیا کرتے تھے۔حالانکہ قصہ گوئی اور کہانت یہ وہ دو ہتھیار ہیں جو اسلام کے خلاف اس کے دشمنوں نے استعمال کئے،اور اسلام نے ان دونوں کا عرب سے خاتمہ کردیا۔ یہ موقعہ زیادہ تفصیل کا نہیں۔ ہاں اس سے مجھے انکار نہیں کہ جنگوں میں شریک ہونے والے صحابہ سے بھی احادیث مروی ہیں جو نسبتاً بہت کم ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ کوئی تنخواہ دار سپاہی نہ تھے کہ ساری عمر ہی ان کی جنگوں میں صرف ہوئی ہو، بلکہ علمی اشغال بھی رکھتے تھے،اور یہ نبی کریم ﷺ کا کمال تھا کہ جہاں ان کو فاتح بنایا اور ملک گیری سکھائی ساتھ ہی حکمت اور علم کی چاشنی بھی لگادی۔

دشمن اگر زیادتی کرے تو اس پر اس قدر الزام نہیں جس قدر اس نادان دوست پر ہے جو اپنے ہاتھ سے اس شاخ کو کاٹتا ہے جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے۔وہ پاک علوم وہ نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق،وہ پاکیزگی اور طہارت کی باتیں جن سے حدیث بھری پڑی ہے ان کے متعلق ''اہل قرآن'' کے پیش رو مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کی طرف سے ذیل کا فتویٰ صادر ہوتا ہے۔

''فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات،ہزلیات اور دوراز کار اور بے سروپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بدنما بناتی ہیں۔لیکن واضعین احادیث نے یہ بڑی کاریگری کی کہ اس کو خاتم النبیین کی طرف منسوب کردیا اور اس طرح اس کے بدشکل چہرہ پر سفیدہ مل دیا۔''
(برہان الفرقان ص ۱۰۹)

''نہ صرف زمانۂ محمد رسول اللہ ﷺ کے لوگ ہی کتاب اللہ کے مقابلہ میں احادیث انبیاء پیش کرتے تھے بلکہ یہ ملعون کام اس سے بھی پرانا ہے.........فرعون بھی اہل حدیث ہی تھا اور موسیٰ سلام علیہ کے مقابلہ میں یوسف سلام علیہ کی احادیث پیش کرتا تھا اور ان کو ختم المرسلین جانتا تھا۔'' (برہان الفرقان ص ۱۷)

''حدیث کی تشریح وتفصیل کتاب اللہ المجید کے سراسر مخالف ہے ....اس وجہ سے مجھے اس بارے میں شک ہوا کہ حدیث محمد رسول اللہ ﷺ کا قول فعل تقریر نہیں ہے.......اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کریہہ النظر بدصورت،زشت رو،بدشکل مصنوعی چیز ہے۔اس کو رسول اللہ سلام علیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خودغرض لوگوں نے ازخود یہ ہزلیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ سلام علیہ کے ذمے لگادیا ہے۔یہ کام زیادہ تر بعض یہودی ونصاریٰ دشمنان اسلام کا معلوم ہوتا ہے،جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی،یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانی کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگادیں تاکہ ان میں بھی وہی کفریات جاری ہوجائیں جو خود ان کے باطل مذاہب میں موجود تھیں۔''
(الزکوۃ والصدقات ص ۱۲،۱۳)

'غرضیکہ جملہ کتب منزلہ من اللہ میں ہر ایک کتاب خصوصاً قرآن مجید جملہ احکام وتمام مسائل دین اسلام کے بارے میں مباح تک بھی ہر طرح کامل مکمل مفصل ومشرح کافی وشافی وافی حامی ہوئی ہے۔ان کے کسی مسئلہ میں اجمال واشکال نہیں ہوا۔'' (مناظرہ صفحہ ۱۸)

''اسلام کی ہر ایک چیز من کل وجوہ مفصل ومشرح طور پر بیان ہوگئی ہے تو اب وحی خفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی بلکہ اس کا ماننا اور دین اسلام

میں اس پر عمل درآمد کرنا سراسر کفر، شرک، ظلم، فسق ہے۔ ماسوائے احسن الحدیث کے یعنی کتاب اللہ المجید کے باقی سب کی سب احادیث دین اسلام کے بارے میں جو جو مروی ہیں وہ ہر ایک لہوالحدیث میں ہی داخل ہیں۔ محمد رسول اللہ سلام علیہ عموماً جملہ رسل انبیاء سلام علیہم پر محض لوگوں کے افترا و بہتان ہیں۔'' (مناظرہ صفحہ ۱۹، ۲۰)

اب اس معترض کے نزدیک حدیث کا کوئی وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے کوئی اقوال وافعال محفوظ رکھے نہ آگے کسی کو پہنچائے نہ تابعین کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے تاریخی حالات ان کے اقوال وافعال ان کے فتاویٰ ان کے کارنامے محفوظ رکھیں، نہ تبع تابعین کے دل میں ایسا وہم وگمان پیدا ہوا۔ بلکہ پہلی یا دوسری صدی ہجری میں ان باتوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خودغرض لوگوں نے یہ ہزلیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ ﷺ کے ذمے لگا دیا۔'' شاید اس قول کے قائل سے بڑھ کر نادان دوست اسلام کا کوئی ہی ہوا ہوگا۔ بھلا کون عقلمند اس کو قبول کرسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے سینکڑوں برس تک آپ کے اقوال کو کسی نے محفوظ نہیں رکھا اور پھر دو تین صدیاں بعد اسلامی ممالک کے ہر گوشے میں جو ہزاروں میلوں میں شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً پھیلے ہوئے ہیں جن کی حد اگر ایک طرف ایشیا میں انتہائے مشرق میں پہنچ چکی ہے تو دوسری طرف یورپ میں انتہائے مغرب میں پہنچ چکی ہے۔ جب مختلف ممالک میں مختلف سلطنتیں قائم ہوچکی ہیں جب مشرق کے رہنے والے مغرب کے حالات سے ناآشنا اور مغرب کے رہنے والے مشرق کے حالات سے ناآشنا ہیں۔ ان عظیم الشان وسیع ممالک میں یک لخت کوئی ایسی ہوا چلتی ہے کہ معاً ہر جگہ کچھ لوگ پیدا ہوجاتے ہیں جو دل سے کچھ اقوال وافعال گھڑ کر اور پھر راویوں کے نام گھڑ کر اور صحابہ کے بھی نام گھڑ کر ہر ایک قول وفعل کے ساتھ ایک سلسلہ روایات قائم کردیتے ہیں اور اس کو ایسی ترویج دیتے ہیں کہ ایک طرف اگر چین میں یا ایران میں وہ روایت اس سلسلہ اسناد سے مروی ہے تو دوسری طرف ہسپانیہ میں وہی روایت اسی سلسلہ اسناد سے شہرت پاجاتی ہے اور اس زمانہ میں ایک بھی نیک دل انسان، ایک بھی خداشناس مسلمان نہیں رہا جو مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کی طرح یہ آواز اٹھائے کہ اے لوگو خدا کا خوف کرو کل تک ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ آنحضرت ﷺ کا کوئی قول وفعل تھا نہ کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی کا نام ہم جانتے تھے۔ آج تم نے معاً ہزاروں کی تعداد میں نام اور واقعات گھڑ کر اور اقوال بنا کر ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی طرف منسوب کردیا ہے، اور ایک نئی نماز بنالی ہے، اور زکوٰۃ کے نئے قواعد گھڑ لیے ہیں کیا ایسی سازش پہلے بھی کبھی دنیا پر کسی نے دیکھی یا سنی کہ جس بات کا نام ونشان تک نہ ہو اس پر فوراً ایک اتنی بڑی عمارت تیار کرکے کسی نامعلوم طریق سے ایک مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی اور کل عالم پر محیط قوم کی روزمرہ کی زندگی میں داخل کردیا جائے، اور سب لوگ باوجود یہ جاننے کے کہ کل تک ہم کو ان باتوں کا علم بھی نہ تھا۔ پھر کروڑوں کی تعداد میں بغیر ایک جگہ اکٹھا ہونے کے اتفاق کرلیں کہ نہیں فی الواقع ہمارا اور ہمارے آباء واجداد کا اور ان کے آبا اجداد کا یہی عملدرآمد چلا آتا ہے اور تعجب یہ کہ مولوی عبداللہ صاحب تو ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے یہ باتیں گھڑی گئیں اور ہم کو دوسری صدی ہجری کی کتنی تصنیفات ملتی ہیں جن میں حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی موطا بھی ایک ہے جن میں وہ واقعات لکھے ہوئے موجود ہیں جو ابھی سینکڑوں برس بعد گھڑے جانے تھے اور مولوی صاحب کے فرضی عیسائی یا یہودی کے دماغ میں آنے سے پیشتر وہ حدیثیں ائمہ دین کی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ خیال جس کو مولوی صاحب نے اس قدر زور وشور سے پیش کیا ہے ایسا لچر ہے کہ ایک موٹی سے موٹی عقل کا انسان جس کے اندر ادنیٰ فکر کا مادہ بھی ہوا سے ایک لحہ کے لئے قبول نہیں کرسکتا، اور مولوی صاحب یا ان کے ہم خیالوں کے خیالات ؎

خیالات نادان خلوت نشیں   بہم برزند عاقبت کفر و دیں

کا مصداق ہیں۔ بھلا اگر اتنی بڑی سازش ہوسکتی ہے، تو کیا یہ موجودہ قرآن اسی سازش کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ پھر تو یوں کہنا چاہئے کہ نہ کوئی محمد رسول اللہ ﷺ ہوئے نہ کوئی ان پر قرآن اترا، نہ کوئی صحابہ ہوئے نہ کوئی اسلامی سلطنت ہوئی۔ یہ سب کچھ نعوذ باللہ عیار لوگوں نے گھڑ کر باتیں بعد میں مشہور کردیں۔ ہمیں مسلمانوں کے منہ سے یہ باتیں نکلتی ہوئی دیکھ کر رونا آتا ہے اور پھر اسی عقلمندی کے برتنے پر اور تاریخ کا اس طرح سراسر انکار کردینے پر سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے اسلام پر سے کل اعتراضات اٹھادیئے اور سب دنیا فوراً اب مسلمان ہوجائے گی۔ یاد رکھو کہ حدیث کے اس انکار سے جس کی بنیاد مولوی عبداللہ صاحب نے رکھی ہے کل تاریخ اسلامی کا جس کو دنیا کی بہترین تاریخ ہونے کا فخر ہے، انکار لازم آتا ہے

اور اس کے انکار کے ساتھ کل تاریخ کا ہی انکار ہے پھر تو کوئی بھی گذشتہ واقعہ درست نہیں۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر ایک طرف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا دامن ان افتراؤں کے بنانے سے پاک ہے بلکہ تبع تابعین کا بھی جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب کے سینکڑوں برس پیچھے کے اقرار سے ثابت ہے اور دوسری طرف محدثین کرام پر بھی اس افترا کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ جیسا کہ مولوی صاحب نے تسلیم کیا ہے اور دوسری صدی کے اختتام سے پیشتر تبع تابعین کی تصنیفات اب بھی موجود ہیں، تو وہ درمیانی زمانہ کونسا ہوا، جب یہودیوں اور عیسائیوں نے قرآن سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے حدیثیں وضع کیں۔ آخر کوئی نیا خیال جب دنیا میں پیش کیا جائے تو اس کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک یہ کہ خود اس کے اندر کوئی معقولیت ہو دوسرے یہ کہ اس کی تائید اور ذرائع سے ہوتی ہو۔ اب جہاں تک معقولیت کا سوال ہے تو یہاں بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ اتنا عظیم الشان انقلاب اس خیال کے ذریعہ سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حدیث، سیرت، تاریخ کی تمام کتابیں امام مالک اور ابن اسحاق سے لے کر اب تک محض مجموعہ اباطیل ہیں اور اول سے آخر تک جھوٹی روایتوں سے پر ہیں۔ اور پھر اس کے لیے اتنا بھی معقولیت نہیں ملتی۔ آخر یہ حدیثیں جن کو امام مالک پھر بخاری اور مسلم اور دیگر محدثین نے جمع کیا، اور یہ سیرت اور تاریخ کے واقعات جن کو ابن اسحاق سے اور بڑے بڑے ائمہ نے اپنی کتابوں میں لکھا، ان کے وضع کا زمانہ کونسا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات سے سینکڑوں برس بعد وہ وضع ہوئے ہیں۔ یہ تو مولوی عبداللہ چکڑالوی صاحب کا محض دعویٰ ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے دوسو سال کے اندر اندر وہ ائمہ کی کتابوں میں مدون ہو جاتے ہیں، اس پر خود تاریخ شاہد ہے اب آخر کوئی سو دوسو سال کا عرصہ ان کے بننے اور ان کی تشہیر اور ترویج اور ان پر کل اسلامی دنیا کا عملدرآمد کرانے کے لئے بھی چاہیے۔ افسوس کہ مولوی صاحب نے ایک باطل خیال پیش کر کے بہتوں کو ایک غلط راہ پر تو ڈالا لیکن اتنا بھی غور نہ کیا کہ آخر کوئی زمانہ ان احادیث کی وضع کا بھی تو تجویز کرنا چاہیے۔ بے سروپا بات کو بنیاد بنانا عقلمندی کا شیوہ نہیں اور نہ صرف یہ خیال معقولیت کو ہی دھکے دیتا ہے بلکہ دوسری ضرورت کے بھی پورا کرنے سے عاری ہے۔ یعنی اس کی کوئی تائید کسی طرح بھی نہیں ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر اس قدر عظیم الشان مجموعہ افتراؤں کا کبھی تیار ہوا تھا تو کوئی ایک آدھ آواز ہی دنیا کے کسی کنارے سے اٹھتی۔ عرب، ایران اور شام سے نہ اٹھی تھی تو چین، ترکستان یا جزائر سے ہی اٹھتی۔ افریقہ کے وسیع ممالک یا ہسپانیہ کی اسلامی سلطنت میں ہی کوئی حق پسند پکار اٹھتا کہ یہ حدیثوں کا مجموعہ جو تیار ہوا ہے یا جس کے پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہے، سراسر افترا ہے۔ ہماری نمازیں یہ نہیں؟ جو ان حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں، ہماری زکوۃ یہ نہیں جس کا ذکر ان احادیث میں پایا جاتا ہے؟ یہ کام فلاں یہودی یا عیسائی کا ہے جو دین اسلام کو برباد کرنے کے لیے کر رہا ہے، مگر یہ کیا ہوا کہ کروڑہا انسانوں میں سے جو ہزارہا میلوں اور بیسیوں ممالک میں پھیلے ہوئے تھے اور الگ الگ زبانیں بولتے تھے۔ ایک شخص کی آواز بھی اس زمانہ میں نہ اٹھی گویا کہ تمام اسلامی دنیا نے سازش کر لی جو ایک ناممکن امر ہے۔ اگر یہ دشمنوں کا کام تھا جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب کو یہ اعتراف ہے تو کم از کم کسی دوست کی آواز اس کے خلاف ضرور اٹھنی چاہئے تھی۔ آخر ایک یا دوسو سال کا عرصہ اتنی حدیثوں کے بننے اور مسلمانوں کے اندر مروج ہونے میں لگا ہوگا۔ پھر ان پانچ چھ نسلوں میں کروڑ در کروڑ مسلمانوں میں سے کیوں کسی ایک شخص کی آواز بھی نہیں اٹھی کہ یہ سب کچھ دشمنوں نے کیا ہے۔ مسلمان متنبہ ہو جائیں۔ یا کیا یہ ساری نسلیں بھی اس عرصہ میں سب کی سب بالاتفاق اسلام کی دشمنی پر کمربستہ ہوگئی تھیں اور اسلام کی خیر خواہی کے اکیلے دم بھرنے والے کے لئے یہ مقدر ہوا کہ وہ تیرہ سو سال بعد پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک تیر چلائے، جس سے اگر کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے تو خود اسلام کو ہی اور دشمنان اسلام پر اس کے ذریعہ سے کچھ بھی اتمام حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ کونسا کچا یا احمق اسلام کا دشمن ہے جو محض اس لیے کہ مولوی عبداللہ صاحب نے تیرہ سو سال بعد آ کر یہ کہہ دیا ہے کہ تاریخ اسلام تمام کی تمام مجموعہ اباطیل ہے اور اس میں ایک بھی قول نبی کریم ﷺ کا نہیں، نہ کوئی آپ کا فعل ہے، آمنا وصدقنا کہہ اٹھے گا اور اس خیال کو طفلانہ قرار دے کر اس پر ہنسی نہیں کرے گا۔ (جاری)

☆☆☆

ضروری گذارش

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کے تمام ممبران اور قارئین ماہنامہ چودھویں صدی سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ رسالہ ہذا کے لئے حالات حاضرہ پر مبنی اسلامی وفکری، ادبی وسماجی مضامین ارسال فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کے مضامین کو شکریہ کے ساتھ شائع کرے گا۔ ماہنامہ چودھویں صدی سے متعلق اپنی آراء سے بھی نوازتے رہیں، تاکہ رسالہ کو مزید خوبصورت اور معیاری بنایا جاسکے۔ (ادارہ)

علامہ سر محمد اقبال اور احمدیت: ایک جائزہ
تحریرات کے آئینے میں

ڈاکٹر خورشید عالم ترین

''ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں، اور آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ محمد یہ اور بہ اتباع آنجناب ﷺ اولیاء اللہ کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں، اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے۔'' (بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ، مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص ۲۹۷)

علامہ سر محمد اقبالؒ اور احمدیت

☆ علامہ اقبال کے والد بزرگوار شیخ نور محمد صاحبؒ حضرت مرزا صاحبؑ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو چکے تھے۔''

☆ علامہ اقبال کے برادر اکبر شیخ عطا محمد صاحب نے حضرت مرزا صاحبؑ کی باقاعدہ بیعت کر لی تھی۔

☆ سر محمد اقبال صاحب نے بھی پانچ سال بعد ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود (حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ، ناقل) کی بیعت کر لی تھی۔

(روزنامہ نوائے وقت، پاکستان ۱۵/نومبر ۱۹۵۳ء)

☆ ایک مرتبہ ایک بہت بڑے شخص یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں۔ لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ ہیں۔ (خطبہ جمعہ، فرمودہ حضرت مولانا محمد علی صاحب لاہوری، مندرجہ اخبار پیغام صلح لاہور، ۱۰/مئی ۱۹۳۵ء)

اس بیان کی اشاعت کے بعد بھی علامہ اقبال تین سال تک زندہ رہے۔ لیکن انہوں نے اس کی کبھی تردید نہ کی۔

☆ مرد حق (مرشد کامل) کے متعلق فرماتے ہیں:۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

بال جبریل

اوکلیم و او مسیح و او خلیل
او محمد او کتاب او جبرئیل

(جاوید نامہ)

ترجمہ: وہ موسیٰ اور عیسیٰ اور ابراہیم ہوتا ہے، وہ محمد وہ قرآن وہ جبرئیل ہوتا ہے۔

اس فارسی شعر کی تشریح شارح اقبال جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب یوں کرتے ہیں:۔

''وہ (مرشد کامل، ناقل) کلیم، مسیح، خلیل و محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے روحانی کمالات کا وارث ہوتا ہے اس میں انبیاء کی صفات کا عکس جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ بالقویٰ نبی ہوتا ہے مگر بالفعل نبی اس لیے نہیں ہوتا کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ (اس نکتہ کی وضاحت حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں فرمادی ہے۔''

(شرح جاوید نامہ)

بعینہ یہی عقیدہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا ہے:۔

(۱) یقیناً یاد رکھو کہ کامل اتباع کے ثمرات ضائع نہیں ہو سکتے۔ یہ تصوف کا مسئلہ ہے۔ اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا تو اولیاء امت تو مر جاتے۔ یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی تو تھا جس کی وجہ سے ستر مرتبہ کفر کا فتویٰ اس کے خلاف دیا گیا۔''

(اخبار بدر ۲۷/اکتوبر ۱۹۰۵ء)

(۲) حضرت عمرؓ کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب ﷺ کا وجود ہی تھا اسی لیے عالم روحی میں حضرت عمر کا ہاتھ پیغمبر خدا ﷺ کا ہاتھ قرار دیا گیا۔'' (ایام الصلح ص: ۳۵)

(۳) ''النبی کالاصل والولی کالظل''

(کرامات الصادقین، ص ۸۵)

ترجمہ: نبی مثل اصل کے ہوتا ہے اور ولی مثل ظل کے۔

(۴) اور میری نبوت یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ایک ظل ہے۔ (یعنی اس معاملہ میں مرزا صاحب منفرد نہیں۔ اور بھی بے شمار بزرگ یہ مقام حاصل کر چکے ہیں اور آئندہ بھی کریں

گے۔ناقل)اور بجز اس کے میری نبوت کچھ بھی نہیں۔وہی نبوت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی اور چونکہ میں محض ظل ہوں (یہاں بھی ''محض'' کا لفظ قابل غور ہے۔ناقل) اور امتی ہوں۔اس لیے آنجناب کی اس سے کچھ کسر شان نہیں۔''

(تجلیات الٰہیہ،ص:۲۵)۔

۱۹۳۵ء میں علامہ اقبال نے تحریک احمدیت کے خلاف ایک بیان دیا۔جسے مخالفین آج بھی علامہ کی حتمی رائے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔حالانکہ بعد میں علامہ موصوف نے اس کے اکثر و بیشتر اہم حصوں سے رجوع کرلیا تھا۔آخر علامہ اقبال نے عجلت پر مبنی یہ بیان دیا ہی کیوں؟اس ضمن میں علامہ نیاز فتحپوری فرماتے ہیں:۔

علامہ اقبال کی جس تحریر کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ ۱۹۳۳ء کے بعد کی ہے جب احرار کی شورش سے مرعوب ہو کر اپنی جان چھڑانے کے لیے وہ اس بیان کے دینے پر مجبور ہوگئے۔ورنہ اس سے قبل وہ احمدیت کے بڑے مداح تھے۔چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے دو سال بعد علی گڈھ کے اسٹریچی ہال میں انہوں نے جو تقریر کی تھی۔اس کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ''پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے،جسے فرقہ احمدیہ کہتے ہیں۔'' (نگار لکھنؤ،ستمبر ۱۹۶۱ء)

چنانچہ بقول عبدالغفار شکیل مؤلف ''اقبال کے نثری افکار'' جب ۱۹۳۵ء میں کچھ رسالوں میں ان کے بیان پر اعتراضات شائع ہوئے۔تو علامہ نے کچھ وضاحتی تحریریں مدیر ''طلوع اسلام'' سید نذیر نیازی کے پاس بھیجیں۔جن کو انہوں نے رسالہ ہذا کے اکتوبر ۱۹۳۵ء کے شمارے میں شائع کیا۔علامہ کی انہی وضاحتی تحریرات سے ہم مندرجہ ذیل اقتباس ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

''نبوت کے دو اجزاء ہیں

ا۔خاص حالت وواردات،جن کے اعتبار سے نبوت،روحانیت کا ایک مقام خاص تصور کی جاتی ہے۔(مقام تصوف اسلام ایک اصطلاح)

۲۔ ایک socio-political institution قائم کرنے کا عمل،یا اس کا قیام۔اس INSTITUTION کا قیام گو[۲] ایک نئی اخلاقی فضا کی تخلیق ہے۔جس میں پرورش پاکر فرد اپنے کمالات تک پہنچتا ہے۔اور جو فرد اس نظام کا ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے۔اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں گویا اس دوسرے جزو کے اعتبار سے نبی کا منکر کافر ہے۔

دونوں اجزاء موجود ہوں تو نبوت ہے۔صرف پہلا جزو موجود ہو تو تصوف اسلام میں اس کو نبوت نہیں کہتے ہیں اس کا نام ولایت ہے۔

ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے۔''

(اقبال کے نثری افکار،ص ۱۵۶،ناشر انجمن ترقی اردو ہند دہلی)

بعینہ یہی عقیدہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا ہے فرماتے ہیں:

''ابتدا سے میرا مذہب یہی ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔(حاشیہ:یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں،اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔)''(تریاق القلوب،ص:۱۳۰)

پھر اپنی وفات سے صرف چند روز قبل میاں سر فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء کے استفسارات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے۔جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے۔''

سوال:وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب:جو ہمیں کافر نہیں کہتا،ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے۔لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے اسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے،اور یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔''

(بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

جب علامہ اقبال کا مخالفانہ بیان شائع ہوا تھا تو اسی دوران امیر جماعت احمدیہ لاہور،حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے علامہ کو مخاطب کر کے لکھا تھا:۔

''میں سر محمد اقبال کو اس واقعہ کا حوالہ دوں گا جو انہوں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے بیان کیا،جب میں اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ان کی عیادت کے لیے گیا۔آپ نے فرمایا کہ بانی سلسلہ تحریک احمدیت سیالکوٹ میں تھے۔

---

[۱] کتاب میں '۲' کا ہندسہ چھوٹ گیا ہے۔(ناقل) [۲] نقل مطابق اصل ''گویا'' ہونا چاہئے۔(ناقل)

میاں فضل حسین صاحب ان دنوں سیالکوٹ میں وکالت کرتے تھے۔ ایک دن میاں صاحب جناب مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے جارہے تھے۔ جب میں نے ان سے معلوم کیا کہ وہ مرزا صاحب کی طرف جارہے ہیں تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ بانی تحریک احمدیت سے گفتگو کے دوران میں میاں سر فضل حسین صاحب نے سوال کیا کہ آپ ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان نہیں لاتے کافر سمجھتے ہیں؟ تو مرزا صاحب فی الفور بول اٹھے ہرگز نہیں۔''

(بحوالہ اقبال اور احمدیت ص ۱۱۸ از مولانا حافظ شیر محمد خوشابی ۱۹۸۸ء)

حضرت مولانا محمد علی کے اس بیان کے بارے میں نیاز مندان اقبال نے علامہ اقبال سے استفسار کیا۔ علامہ نے جو کچھ جواباً فرمایا وہ اسی زمانہ میں چھپ کر ریکارڈ ہو گیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

''مولانا سید نذیر نیازی صاحب سے میری گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اقبال سے بھی میرے حوالے کا ذکر کیا تھا۔ جس پر علامہ موصوف نے فرمایا کہ بیشک انہوں نے مرزا صاحب سے اسی طرح سنا کہ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے وہ ہزاروں کے مجمع میں یہ شہادت دینے کو تیار ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ نے فرمایا کہ انہوں نے جو بیان اخبارات میں شائع فرمایا وہ موجودہ قادیانی کشمکش (غالی گروہ) کے سلسلے میں تھا۔ جو قادیانی جماعت اور عامۃ المسلمین میں جاری ہے۔ جماعت لاہور کی طرف اس کا روئے سخن نہیں تھا۔ اور نہ ہی مرزا صاحب کے معتقدات پر تبصرہ منظور تھا اس سے قبل ہمارے معزز دوست راجہ حسن اختر صاحب نے بھی مجھ سے فرمایا کہ علامہ اقبال سے انہوں نے گفتگو کی اور علامہ فرمانے لگے کہ ان کے بیان کا جماعت احمدیہ لاہور سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی مرزا صاحب کی شخصیت سے۔ اوران کے سامنے وہ احمدیت تھی جس کا نقشہ آج کل قادیانیت کی شکل میں دنیا میں پیش ہو رہا ہے۔[1]

(بیان حضرت مولانا محمد یعقوب خاں صاحب، ایڈیٹر ''لائٹ'' ''پیغام صلح'' لاہور، ۱۹ نومبر ۱۹۳۵)

اس قدر کھلے اور واضح تاریخی شواہد کے باوجود علامہ اقبال کو جماعت لاہور یا بانی سلسلہ کا مخالف گردانا حق وانصاف کا خون نہیں تو اور کیا ہے؟

یاد رہے کہ جب ۱۹۱۴ء میں قادیانی خلیفہ جناب میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب مرحوم نے پہلی بار اپنے غالیانہ عقائد کا برملا اعلان کیا تو اس وقت علامہ اقبال نے نہایت محتاط الفاظ میں ایک بیان شائع فرمایا تھا۔

علامہ نے لکھا:۔

''جو شخص نبی کریم ﷺ کے بعد کسی ایسے نبی کے آنے کا قائل ہو جس کا انکار مستلزم کفر ہو۔ وہ خارج از دائرہ اسلام ہے۔ اگر قادیانی جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

(بحوالہ قادیانی مذہب، ص ۱۸۱ از پروفیسر الیاس برنی ایڈیشن چہارم)

امید ہے کہ ان بیانات سے علامہ اقبال کی پوزیشن واضح ہو جائے گی۔

☆☆☆

بقیہ: حضور ﷺ کو تعلیم وتربیت کے لیے قرآنی ہدایات

معلم سے بھی توقع کرتے ہیں کہ ان کی حیثیت کا خیال رکھا جائے گا۔ اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ اگر ان کی عزت نفس اور شخصیت کا خیال نہ رکھا جائے تو تدریس میں ان کی دلچسپی کم ہوتی جائے۔ معلم کو چاہیئے کہ ایک خاص حد تک طلبہ کے اس احساس کا لحاظ رکھے تاکہ تدریس موثر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جب فرعون کو دعوت کے لئے بھیجا تو ہدایت کی کہ:

اذھبا الیٰ فرعون انہ طغیٰ فقولالہ قولا لینا لعلہ یتذکر اویخشیٰ.

فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ نرمی سے بات کرو تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

لیکن اس میں ایک بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ معلم کا اپنا وقار اور احترام بھی مجروح نہ ہو۔ تجربات کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ نفسیات کے اس پہلو کا خیال رکھا جائے تو طلبہ میں اپنائیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ طالب علم میں غور وخوض کا مادہ بڑھتا ہے اور طالب علم میں بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کا خاتمہ ہوتا ہے اور تدریس مؤثر ہوتی ہے۔

رسول ﷺ کو تعلیم وتربیت کے لئے دی گئی ہدایات میں سے چند کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے اساتذہ، محققین اور قارئین مطالعہ قرآن سے مزید قیمتی ہدایات اخذ کر سکتے ہیں۔ ان ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم وتربیت کی تو صورت حال یہ بنی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین پورے ذوق وشوق سے آپ ﷺ کے خطابات کو سنتے تھے بلکہ منتظر رہتے تھے اور اثر اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ آپ کی تعلیمات فوری طور پر ان کے عمل کا حصہ بن جاتی تھیں۔ آج بھی ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اثر پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(بشکریہ: آموزگار)

☆☆☆

---

[1] مولانا یعقوب صاحب مرحوم کے اس مطبوعہ بیان کے بعد بھی علامہ اقبال ۱۹۳۸ء تک زندہ رہے، مولانا سید نیازی صاحب اور راجہ حسن اختر صاحب تو اور بھی کافی عرصہ بقید حیات رہے۔ لیکن ان تینوں بزرگوں میں سے کسی کو اس بیان کی تردید یا تکذیب کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ (خورشید)

حضور ﷺ کو تعلیم و تربیت کے لیے قرآنی ہدایات

چند اہم نکات

ڈاکٹر مہر محمد سعید اختر

انسانیت کی تاریخ میں تعلیم و تربیت ایک اہم عنصر رہا ہے۔ تعلیم و تربیت کے انداز اور اس کے عملی اظہار سے ہی قوموں کے مہذب اور غیر مہذب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ تعلیمی نظام کی Effectiveness میں طریق تعلیم کا بڑا اہم کردار ہے۔ حضور عالم انسانیت کے لئے معلم بنا کر بھیجے گئے حضور کا فرمان ہے کہ:

انمابعثت معلما

بے شک مجھے معلم مبعوث کیا گیا ہے۔

اتنے بڑے کام کو موثر انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خالق کائنات نے حضور ﷺ کو خصوصی ہدایات دیں۔ ان میں سے چند اہم نکات ذیل میں دئے جارہے ہیں۔

اخلاص سے تعلیم دی جائے

ہر معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاص سے تعلیم دے، ریاکاری، شہرت، خودنمائی یا کسی اور غرض کے لئے تعلیم نہ دے بلکہ ہر عمل کی طرح تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کا کام پورے اخلاص اور اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے کرے۔ قرآن میں اس حوالہ سے فرمایا گیا ہے کہ:

قل هذه سبيلي ادعواالى الله

اے محمد ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں تو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

یعنی اخلاص کے ساتھ خوشنودئ رب کے لئے کام کیا جائے۔ کسی بھی عمل کے لیے نیت کا خالص ہونا از حد ضروری ہے۔ اخلاص نیت تمام اوصاف حمیدہ کی سردار ہے اور تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ہے ایک مومن کا ہر عمل صالح ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کو ہدایت فرمائی گئی کہ اخلاص سے تعلیم دی جائے۔

نرمی او رحلم وبردباری سے تعلیم دی جائے

قرآن مجید میں حضور کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تعلیم و تربیت میں حلم و بردباری اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے اس سے انسان حلیم الطبع، رقیق القلب، بلند حوصلہ، بردبار اور صابر و شاکر ہو جاتا ہے جس سے کام نہایت احسن ہونے کا امکان ہے۔

قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی مثال دے کر حضور ﷺ کو تاکید کی گئی کہ: ''فقولا له قولا لينالعله يتذكر او يخشى''۔

تم دونوں اس (فرعون) سے نرم لہجہ میں بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ نرمی کی تلقین فرمائی:

اسی طرح سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے کہ:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولوكنت فظاغليظ القلب لانفضو من حولك .

(اے محمد ﷺ) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ایک معلم کا بنیادی فرض ہے کہ نہایت حکمت کے ساتھ اور نرمی و حلم و بردباری کے ساتھ تعلیم دے۔

حکمت سے تعلیم دی جائے

قرآن مجید میں سورہ النحل میں آپ ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی کہ حکمت سے تعلیم دی جائے۔

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى احسن.

اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور موعظہ حسنہ سے دعوت دو (تعلیم دو) اور ان کے ساتھ احسن طریقہ سے مجادلہ کرو۔

اس طرح آپ کو ہدایت فرمائی گئی کہ تعلیم میں حکمت و دانائی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

وضاحت سے بات سمجھائی جائے

وان قولوا فانما عليك البلغ والله بصير بالعباد

اوراگراس سے منہ موڑا تو تم پر صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے آگے اللہ خود بندوں کے معاملات دیکھنے والا ہے۔

نعیم صدیقی صاحب نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن میں حضور ﷺ کے لیے معلمانہ ذمہ داری کے لئے بلاغ مبین ضروری کر دیا گیا ہے یعنی وضاحت سے بات پہنچا دینا اور تفہیم کا حق ادا کر دینا ہر سچے معلم کی ذمہ داری ہے۔

کلام مبین کا مطلب یہ ہے کہ معلم ایسی زبان میں گفتگو کرے جو زیادہ سے زیادہ خوبی اور صفائی کے ساتھ ہو۔ معلم کا مطلب ہر طالب علم تک پہنچ سکے۔ اس میں نہ ابہام ہوتا ہے نہ اجمال، نہ غیر ضروری طوالت ہوتی ہے نہ استعارات وتشبیہات کی کثرت ہوتی ہے۔ نہ عمل آزما تلمیحات کی زیادتی نہ ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے نہ رکاکت اور ابتذال کا کوئی شائبہ، دُھلی ہوئی زبان بے تکلف استعارے علاوہ ازیں غصہ کی بجائے دلسوزی سختی کی بجائے نرمی اور آرائش بیان کی بجائے سادگی اور صفائی اور مروجہ طریقوں میں سے ایسے طریقہ کو اختیار کرے جو وقار اثر انگیزی اور وضاحت مقصد کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور اعلیٰ ہو پھر اپنے نفس کی بلندی اپنے ولولہ تدریس کی گرمی، دلسوزی اور اپنے علم کو یقین آفرینی اور ایمان بخشی اور سب سے زیادہ اپنے سبق کو منتقل کرنے کی گہری خواہش موجود ہو تو پھر معلم کا اپنا مخصوص طریق تدریس ہوگا اور اس کا اپنے مقصد میں کامیابی کافی حد تک ممکن ہے۔

حضور ﷺ کی تدریس قرآنی ہدایت کی روشنی میں انہی خصوصیات کی حامل تھی آپ نے ہر اعتبار سے کامل تدریس کا اہتمام فرمایا۔

تعلیم میں جبر کا رویہ اختیار نہ کیا جائے

فذكرانما انت مذكرلست عليهم بمصيطر

اچھا تو (اے نبی ﷺ) نصیحت کئے جاؤ، تم پس نصیحت ہی کرنے والے ہو کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔

نحن اعلم بمايقولون ومماانت عليم بجبار. فذكر بالقرآن من يخاف وعيد

اے نبی ﷺ جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں اور تمہارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے پس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت کرو جو میری تنبیہہ سے ڈرے۔

ان آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تعلیم میں جبر کا رویہ اختیار نہ کیا جائے بلکہ بات واضح طور پر حکمت کے ساتھ اور نصیحت کے انداز میں کی جائے۔

خوشگوار طرز تکلم اختیار کیا جائے

ولاتجادلوا اهل الكتاب الى بالتى هى احسن

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے۔

تعلیم کے اہم کام کو سرانجام دینے کے لئے حضور کو جہاں محبت وخیر خواہی اور نرم خوئی کی تلقین کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ طالب علم سے خوش آئند طرز تکلم اختیار کیا جائے اور اگر بحث واختلاف کا موقع پیش آئے تو جدال احسن سے کام لی جائے یعنی خوشگوار انداز میں Dialogue کیا جائے۔

باوقار طریقہ سے تعلیم دی جائے

قرآن مجید میں تعلیم کے لئے حضور ﷺ کو جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں خاص بات یہ ہے کہ باوقار طریقہ سے تعلیم دی جائے۔ طالب علموں کی عزت ووقار کا خیال رکھا جائے۔ ہر سطح پر معلم اس بات کا خیال رکھیں۔

آپ سے قبل بھی انبیاء نے ہمیشہ اپنے پیروکاروں (طالب علموں) کی عزت اور احترام کا پورا خیال رکھا۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں لوگوں کے لئے نہایت عزت کے طریقے کو اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً ''اے میری قوم''، ''اے اللہ کے بندو'' اور اس طرح کے دوسرے مودبانہ طور طریقوں سے بات کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس حد تک کہ یہودیوں کو بھی اے یہودیو نہیں کہا گیا بلکہ اہل کتاب کہہ کر پکارا گیا ہے، جیسے:

ياايهاالناس اعبدو ربكم الذى خلق لكم

يااهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بينناوبينكم الانعبدالاالله ولانشرك به شيئا.

یعنی طالب علم کے ساتھ بھی وقار سے پیش آنے کو کہا گیا ہے اور معلم کے وقار کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

طلبہ کی عزت نفس کی لحاظ

طلبہ کی اپنی ایک خودی اور شخصیت ہوتی ہے اور عام طور پر ایک ہی کلاس میں شامل ہونے کے باوجود مختلف طلبہ میں اس کا معیار مختلف ہوتا ہے اس کے درجے کم یا زیادہ ہوتے ہیں۔ بعض طلبہ میں یہ بات عصبیت کی حد تک پائی جاتی ہے۔ بعض طلبہ تعظیم وتکریم سے اس حد تک خوگر ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ نہ صرف طلبہ بلکہ (باقی صفحہ ۲۱ پر)

جدید سائنس اور طب نبوی ﷺ

حکیم محمد طارق محمود چغتائی

اسلامی نظام طہارت

ہر مذہب وملت میں عام صفائی کی نسبت ہدایات پائی جاتی ہیں۔مگر اسلام نے ان امور میں اتنی تفصیلی اور واضح ہدایات دی ہیں اور ایسے اصول وقواعد تجویز کئے ہیں کہ ان کی کہیں نظیر نہیں ملتی اور ہمارے اسلاف نے چھوٹے چھوٹے مسائل پر اتنی طویل اور سیر حاصل بحثیں کی ہیں کہ انہیں پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔بعض لوگ ان کی حکمت اور فلسفہ نہ سمجھنے کے باعث انہیں ڈھیلے اور استنجے کے مسائل کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔لیکن اگر ان پر علمی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو ان کی افادیت واہمیت سے انکار نہیں ہوسکتا۔حقیقت بھی یہی ہے کہ حفظان صحت کے قواعد میں بظاہر یہ معمولی باتیں ہیں لیکن بنیادی امور کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دور حاضر کی متمدن اقوام میں رفع حاجت کے بعد کاغذ، کپڑا وغیرہ سے صفائی کی جاتی ہے۔بعض دفعہ پانی بھی استعمال کیا جاتا ہے اور غیر متمدن اقوام میں ڈھیلے، پتھر وغیرہ یا پانی سے کام لیا جاتا ہے۔لیکن اسلام میں اس غرض کے لیے پانی کا استعمال ضروری قرار دے کر اتنی مفید ہدایات دی گئی ہیں کہ ان کا کسی اور قوم میں متمدن ہو یا غیر متمدن نام ونشان نظر نہیں آتا اور ایک عقلمند انسان اپنے قومی وملی تعصبات سے بالا ہو کر اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ جب تک کوئی حکیم وعلیم ہستی رہنمائی نہ کررہی ہو کوئی انسان اس قسم کی پر حکمت اور نوع انسان کے لیے نہایت ہی مفید باتیں بتا نہیں سکتا۔

فراغت کے بعد بہترین طریق صفائی یہ ہے کہ استنجا کے لیے صرف بایاں ہاتھ کام میں لایا جائے اور داہنے ہاتھ سے پانی ڈالا جائے۔اس پابندی میں بڑی حکمت ہے۔

قدرت نے خود ہی ہاتھوں میں تقسیم کار کردی ہے۔استثنائی صورتیں چھوڑ کر ہر انسان کا داہنا ہاتھ بائیں کی نسبت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے۔اکثر حیوان بھی پہلے اپنا داہنا پاؤں ہی اٹھاتے ہیں۔مثلاً گھوڑا، اسی لیے عربی میں اسے یمین یا برکت والا ہاتھ کہا گیا ہے۔اسی قدرتی تقسیم کے مطابق کھانے پینے میں داہنا اور طہارت وصفائی میں بایاں ہاتھ کام میں لانے کی اسلام میں ہدایت ہے۔

ایک غیر مسلم کا واقعہ

ایک مسلم ڈاکٹر نے مجھے ایک واقعہ بتایا ''ایک غیر مسلم جس کی پنڈلی پر چوٹ لگی ہوئی تھی اور خون زخم سے بہہ رہا تھا۔علاج کے لیے میرے پاس آیا۔میں نے اسے ایک برتن میں زخم دھونے کے لیے پانی دیا۔وہ داہنے ہاتھ سے پانی لے کر اسی سے زخم صاف کرنے لگا اور بار بار وہی خون آلود ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پانی بالکل گندہ ہوگیا۔وہ پانی گرا کر میں نے اسے اور صاف پانی دیا اور اسے کہا کہ زخم پر داہنے ہاتھ سے پانی ڈالو اور بائیں سے صاف کرو۔زخم بھی جلد صاف ہوجائے گا اور پانی بھی خراب نہ ہوگا اور اسے بتایا کہ اسلام نے داہنے اور بائیں ہاتھ کے کاموں کی تقسیم میں یہی حکمت رکھی ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم کپڑا پہنو، غسل کرو یا وضو کرو تو داہنی جانب سے شروع کیا کرو۔سوائے طہارت وغیرہ کے جب نجاست صاف کرنی پڑتی ہے۔ہر کام میں داہنے ہاتھ کے کام میں لانے کی ہدایت ہے۔

رفع حاجت کے بعد پانی سے طہارت کرنے سے قبل، اگر کسی صاف ستھرے خشک چیز مثلاً کپڑا، کاغذ، ڈھیلا، پتھر وغیرہ سے متعلق حصہ جسم پونچھ لیا جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔گو صرف پانی استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔مگر دونوں کے استعمال سے صفائی اچھی ہوتی ہے اور یہی بہترین طریقہ ہے جسے حضرت رسول کریم ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔

ہاں اس غرض کے لیے تین ٹکڑے کاغذ یا کپڑے کے تین یا طاق ڈھیلے یا پتھر کام میں لائے جائیں تو زیادہ مناسب ہوتا ہے۔تین کی تعداد زیادہ صفائی کے پیش نظر مقرر کی گئی ہے۔ایسا کرنے کے بعد پانی سے جسم کے متعلقہ حصے دھوئے جائیں تو بہت زیادہ صفائی ہوجاتی ہے۔اسلامی اصطلاح میں اسے استنجا کہتے ہیں۔یہ ہے استنجا اور ڈھیلا کا مسئلہ جس پر غیر اور بعض ناواقف نوتعلیم یافتہ مسلمان ہنسی اڑایا کرتے تھے۔صحت وصفائی کے نقطہ نظر سے اس میں کون سی قباحت یا کونسا امر قابل

اعتراض ہے۔

استنجا کرنے کے بعد بایاں ہاتھ جس سے صفائی کا کام لیا جاتا ہے صاف مٹی پر رگڑ کر یا بامر مجبوری صابن سے دھولیا جاتا ہے۔

ہاں اس صفائی یا استنجا کے سلسلے میں ایک پابندی بھی ہے۔ جو بظاہر بالکل معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت ہے بڑی پرحکمت۔ شارع علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا: فراغت کے بعد متعلقہ حصہ جسم کی صفائی ہڈی اور گوبر سے ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس میں جن ہوتے ہیں۔

جنوں کے متعلق عوام کے توہمات وتصورات کے پیش نظر یہ بات بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جن کے لغوی معانی پر غور کیا جائے تو اس امتناع کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ عربی میں جن کا لفظ ہر مخفی چیز موذی یا غیر موذی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کوئی خطرناک کام کرنے والا انسان مثلاً فلک بوس عمارت تعمیر کرنے والا معمار، بلی شیر وغیرہ بھی جن کہلاتے ہیں۔ اسی طرح اس لفظ کا اطلاق غیر مرئی جراثیم پر بھی ہوتا ہے۔

تحقیر اور اس کا انجام

میرے ایک بزرگ نے ایک واقعہ سنایا

''ایک آزاد خیال نو تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان نے مجھ سے جب یہ بات سنی تو بڑی تحقیر سے اس پر ہنسی اڑائی ہے۔ اتفاق سے اس کے بعد کسی موقع پر اس نے بعد رفع حاجت صفائی کے لیے ہڈی استعمال کرلی۔ اس کے استعمال کرتے ہی پاخانہ کے مقام پر اسے شدید سوزش شروع ہوگئی اور ورم ہوگیا۔ بات یہ تھی کہ اس ہڈی میں چھوٹی سرخ چیونٹیاں تھیں جو سخت زہریلی ہوتی ہیں اور جن پر اس کی نظر نہ پڑی۔ انہوں نے اسے کاٹ کھایا۔ جب اس کی تکلیف بڑھ گئی تو میرے پاس آیا غلطی کا اعتراف کیا، اظہار ندامت کیا اور ساتھ ہی علاج دریافت کیا۔ میں نے کہا محسن ہستی پر ہم نے تمسخر کیا۔ اب اسی پر درود بھیجو، توبہ کرو، چنانچہ اس کی تکلیف جاتی رہی۔''

ہڈی اور گوبر میں کئی قسم کے کیڑے اور جراثیم ہوتے ہیں اور خود غلیظ ہوتے ہوئے غلاظت کیسے دور کرسکتے ہیں۔

طہارت کے لیے مغربی اقوام میں پانی کا استعمال کہیں کہیں کیا جانے لگا ہے۔ ورنہ اب تک صرف کاغذ، کپڑا پر ہی گزارہ کیا جاتا تھا۔ لیکن پانی سے طہارت نہ کرنا نماز پڑھنے والے مسلمان کے دل میں سخت انقباض پیدا کرتا ہے۔ پھر اس قسم کی ناقص طہارت کے ساتھ نہانے کے لئے بھرے ٹب میں بیٹھ جانا اس کی طبیعت پر اور زیادہ گراں گزرتا ہے اور غسل اس کی نگاہ میں غسل ہی نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان کا معیار صفائی و پاکیزگی کتنا بلند ہے۔

اسلامی معیار پاکیزگی کی بلندی ایک اور امر سے بھی ظاہر ہے۔ صرف پیشاب کرنے کے بعد بھی طہارت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پیشاب کرنے کے بعد پیشاب کی نالی میں قطرات رک جاتے ہیں جو کچھ دیر تک غیر محسوس طور پر خارج ہوکر لباس یا رانوں پر لگ کر انہیں گندہ کرتے رہتے ہیں۔ اس غلاظت سے بچنے کے لیے دو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اول کسی جاذب چیز مثلاً مٹی کے خشک ڈھیلے، جاذب کاغذ، کپڑے وغیرہ (ان سب میں افضلیت ڈھیلے کو ہے) سے قطرات خشک کرلیے جاتے ہیں اور پھر پانی سے طہارت کی جاتی ہے۔ پانی کی خنکی سے پیشاب کی نالی سکڑ جاتی ہے اور اس کے باعث قطرات فوراً خارج ہوجاتے ہیں اور ساتھ ہی پانی سے صفائی بھی ہوجاتی ہے۔

دوسری تمام اقوام میں پیشاب کے قطرات سے ذرا پرہیز نہیں کیا جاتا۔ پیشاب کیا فوراً کھڑے ہوئے۔ پتلون کے بٹن بند کرلیے، ازار بند پاجامہ باندھ لیا یا دھوتی سے متعلقہ حصہ جسم ڈھک لیا اور بس ایسے قطرات جسم یا لباس پر لگ کر بو اور غلاظت پیدا کرتے ہیں اور بعض دفعہ رانوں وغیرہ پر جلدی امراض پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کچھ لوگ پاخانہ میں پانی کا لوٹا بجائے طاق میں رکھنے کے نیچے فرش پر رکھ دیتے ہیں جس پر پیشاب کی چھینٹیں بھی پڑتی رہتی ہیں اور پھر اسی سے آب دست کیا جاتا ہے۔ مسلمان اس غرض کے لیے بھی پاک وصاف پانی استعمال کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ پر رکھتا ہے جہاں وہ پیشاب کی چھینٹوں سے محفوظ رہے۔ طہارت صحیح معنوں میں پاک وصاف پانی سے ہی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ وضو کے پانی کو پاخانہ میں رکھنا منع ہے۔

ایک نمازی مسلم کا بدن اور لباس بول وبراز کی معمولی سے معمولی اور دوسری ہر قسم کی غلاظتوں سے پاک ہوتا ہے اور بعض تو اتنی احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ اگر ایک قطرہ پیشاب ان کے بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو انہیں چین نہیں آتا جب تک اسے اچھی طرح دھوکر صاف نہ کرلیں۔ گویا اس غلاظت سے پرہیز مسلمان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ ایک مرتبہ قبر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے کشف میں دیکھا کہ مدفون پر عذاب

الٰہی ناز ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی زندگی میں پیشاب کے قطرات سے پرہیز نہیں کیا کرتا تھا۔ بے شک انسان کے اپنے جسم سے نکلے ہوئے فضلات بالخصوص بول و براز بدترین غلاظت ہوتی ہے اور جسم ولباس کو خراب کرنے کے علاوہ خود انسان کو جب وہ اس سے پرہیز نہ کرے، کئی قسم کے امراض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آئندہ زندگی کا معاملہ تو الگ رہا اس نجاست سے پرہیز نہ کرنے والے اسی زندگی میں کئی قسم کی جلدی امراض خارش، جلن وغیرہ کے شکار ہو کر دوزخ کی آگ کا مزا چکھ لیتے ہیں۔

یہاں ضمناً ایک بات کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعض مسلمان پیشاب کرنے کے بعد کھڑے ہو کر ڈھیلے سے استنجا کرتے ہوئے کسی ایسی جگہ پر دکھائی دیتے ہیں جہاں سے لوگ گزر رہے ہوتے ہیں اور عجیب عجیب حرکات کرتے ہیں۔ یہ نہایت نامعقول اور بے حیائی کا طریقہ ہے، جسے اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ایسی ہی ناپسندیدہ حرکات دیکھ کر تو تعلیم یافتہ طبقہ نہایت مفید اور کارآمد اسلامی اصول وقواعد حفظان صحت ڈھیلے اور استنجے کے مسئلے کہہ کر ٹال دیا کرتا ہے اور ان کا سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ صحیح اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ بیٹھے بیٹھے دوسروں کی نظروں سے اوجھل ڈھیلے یا پانی سے استنجا وطہارت کی جائے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا معمول تھا۔

بول و براز کی معمولی آلائش سے پرہیز رکھنے کی وجہ ظاہر ہے۔ اگر کسی چھوٹی سی برائی سے اجتناب نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ بڑی برائی سے انسان غافل ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر صفائی و پاکیزگی برائے نام کی رہ جاتی ہے۔

ایک اور لحاظ سے بھی اسلامی طریق طہارت بہت مفید ہے۔ پھرنے اور کام کاج کرنے سے بالخصوص گرم مرطوب علاقوں میں رانوں کے درمیان پسینہ بہت نکلتا رہتا ہے۔ پانی سے بدن کے ان حصوں کو دھونے سے مسام کھل جاتے ہیں اور میل کچیل دور ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے۔ دنیا کی بدترین غلاظت جس سے انسان کا ہر روز کئی مرتبہ واسطہ پڑتا ہے اس کا اپنا بول و براز ہے اور یہی گندگی ایسی ہے جو اس کے لئے سب گندگیوں سے زیادہ اس کی صحت وثبات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس سے جتنی پرہیز رکھی جائے اور اسے اپنی قیام گاہوں اور کام کاج کے مقامات سے دور رکھا جائے اتنا ہی زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس کا قرب انسان کے لئے ہلاکت اور اس کی دوری راحت وصحت ہے۔

لیکن اس کی ضرر رسانی اور نقصانات جاننے کے باوجود اس کی نسبت بڑی غفلت اور لاپرواہی برتی جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ اور کسی تمدن یا شریعت میں اسے کما حقہ پرہیز ونفرت رکھنے کی تلقین نہیں کی گئی اور ہم بلا خوف وتردید یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام کو ہی یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اس گندگی سے عملی طور پر پرہیز، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس سے انتہائی نفرت رکھنے کی پرزور تلقین کی ہے۔ صحت وصفائی کے نقطہ نظر سے قضائے حاجت کے طریق اور بیت الخلاء کی تعمیر وبناوٹ بھی اہمیت رکھتی ہے۔

رفع حاجت کا سیدھا سادہ قدرتی طریقہ وہ ہے جس کا رواج دنیا کے بیشتر حصہ میں پایا جاتا ہے اور جو موجودہ ترقی یافتہ اقوام میں بھی گزشتہ صدی تک رہا تھا اور ان کے تمدن کے دلدادہ لوگ اس پر تمسخر کرتے ہیں اور اسے جنگلی اور وحشیانہ طریقہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طبی لحاظ سے یہی صحت، ثبات کے لیے نہایت مفید اور صاف ستھرا طریقہ ہے۔ حضرت رسول کریم گھر میں جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو دو اینٹوں پر قدم رکھتے۔

اس طرز نشست سے جسم کے بالائی حصہ کا سارا بوجھ معاء مستقیم (جس میں فضلہ بدن سے خارج ہونے کے لئے آخری مرحلہ پر پہنچتا ہے) پر پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ معدے پر دونوں جانب سے رانوں کا دباؤ ہوتا ہے۔ ٹانگوں کے کھلا ہونے، معدے اور جسم کے قدرتی دباؤ کے باعث اس آنت کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے اور اس کی حرکت دودی تیز ہو جاتی ہے جس سے فضلہ کا اخراج جلد اور بسہولت ہو جاتا ہے۔

پسماندہ اور نیم ترقی یافتہ اقوام میں حسب ضرورت اور اپنے ماحول کے مطابق اسی قدرتی طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ چھوٹی بستیوں اور دیہات کے لوگ بالعموم جنگل چلے جاتے ہیں اور فراغت کے بعد جائے فراغت سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھ کر طہارت کر لیا کرتے ہیں اور شہری لوگ اپنے مکانوں میں مختلف قسم کے بیت الخلا تعمیر کر لیتے ہیں جن میں عموماً دو تین قدمچے ہوا کرتے ہیں۔ ایک یا دو قضائے حاجت کے لیے اور ایک آب دست کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر وہ اتنے بلند ہوا کرتے ہیں کہ بول و براز یا طہارت کرتے وقت جسم یا لباس پر چھینٹے نہیں پڑ سکتے۔

بعض دفعہ شہری پاخانہ میں ایک ہی قدمچہ اس قسم کا بنا ہوتا ہے کہ اس کی سوراخ اچھی طرح مکمل اور ڈھلوان ہوتی ہے اور غلاظت خود بخود ہی بہہ کر نیچے گندی نالی میں چلی جاتی ہے اور جب اس پر بیٹھ کر آبدست کیا جاتا ہے تو اس پانی سے اس کی اور سوراخ کی مزید صفائی ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

بیوی کے لیے اسلامی قوانین

محمد شمشاد ندوی

زوجین کی خوشگوار زندگی سے خوشگوار معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان محبت والفت اور سکون داخل فرمایا اور اس محبت وسکون کو پائدار بنانے کے لیے دونوں کو اپنے اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ کیا، جب دونوں اپنے اپنے فرائض کو انجام دیتے رہتے ہیں تو ان کے لیے دنیا جنت نشاں بن جاتی ہے، لیکن جب ان میں کوئی اپنے اوپر عائد حقوق وفرائض سے غفلت ولا پرواہی کرتے ہیں تو دنیا باوجود اپنی رعنائی ودلکشی کے جہنم کدہ بن جاتی ہے اور دونوں کا ایک ساتھ زندگی گذارنا دشوار ہوجاتا ہے اور محبت وسکون کی جگہ نفرت وعداوت پیدا ہوجاتی ہے، یہ نفرت وعداوت زوجین ہی نہیں بلکہ دونوں خاندانوں کے درمیان آہنی دیوار بن کر کھڑی ہوجاتی ہے، اور بسا اوقات آپسی تنازعہ طلاق اور مقدمہ تک جا پہنچتا ہے ۔ جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں زوجین کے حقوق وفرائض کی بابت ایسے تفصیلی احکام ومسائل پاتے ہیں جن سے عادلانہ اور متوازن حقوق تک انسانی دماغ کی رسائی ممکن نہیں، بحیثیت بیوی کے عورت کے کیا حقوق ہیں؟ اور اسلامی معاشرہ میں ان کا کیا مقام ہے آیئے ہم اس پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

بیوی کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لاھلہ واناخیرکم لاھلی

''تم میں اچھا وہ ہے جس کا سلوک اپنے اہل وعیال سے اچھا ہو اور میں تم میں اہل کے بارے میں سب سے اچھا ہوں''

اسلام نے شوہر کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی دلجوئی کرے اور اس کے طعام، پوشاک اور رہائش کا بہترین نظم کرے، اس کی معمولی غلطیوں کو معاف کرے اس کی خوبیوں پر نگاہ رکھے ۔ ایک صحابی نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ:

ماحق المرأة علی الزوج؟ قال ان یطعمھا اذا طعم وان یکسوھا اذا کنسی ولا یضرب الوجہ ولایقبح ولا یھجر الافی البیت۔

بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب خود کھائے تو اس کو کھلائے جب خود پہنے تو اس کو پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو برا بھلا کہے، نہ گھر کے علاوہ اس کی سزا کے لیے علیحدہ کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لایفرك مومن مومنة ان کرہ منھا خلقا رضی منا آخر۔

''کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہو تو اس کی دوسری عادت سے راضی ہوجائے۔''

اس حدیث میں شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اس کی کوئی عادت ناپسند ہو تو اس کو نظر انداز کرنے کا حکم دیا ہے۔عورت کی فطری کجی کو سیدھا کرنے کی کوشش کا راستہ طلاق پر ختم ہوتا ہے۔اس لیے اس کے عیوب کو نظر انداز کرتے ہوئے زندگی کے سفر کو خوشگوار بنائے رکھے اور اس کو ستانے اور پریشان کرنے کے لیے بہانہ نہ ڈھونڈے اور اس کو جدا کرنے سے پہلے اس آیت کو پیش نظر رکھے۔

والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا .ان اللہ کان علیا کبیرا. وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا. ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیراً.

''اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مارو، پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بیشک اللہ بہت بلند والا اور بہت بڑا ہے۔اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف شوہر کے گھر والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں تو اللہ دونوں میں ملاپ کردے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

جو لوگ آیات قرآنی کو نظر انداز کر کے اپنی بیوی کو بیک وقت تین

طلاق دے دیتے ہیں وہ گناہ عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی نازیبا حرکت سے جہاں اپنے آباد گھر کو ویران کرتے ہیں اور اپنے بچوں کے مستقبل کو تاریک بنا دیتے ہیں، وہیں دشمنان اسلام کو اسلام اور مسلمانوں پر ہنسنے اور طعنہ زنی کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دونوں جہاں میں سزا و ذلت کے مستحق ہیں۔ لیکن جو لوگ مذکورہ آیات قرآنی پر عمل کرنے کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو اسلام میں باوجود ناپسندی کے اس کی اجازت ہے، اس وقت طلاق کی ضرورت و اہمیت اتنی ہو جاتی ہے جتنی کہ جسم کے کسی حصہ میں کینسر ہو جائے تو اس کو کاٹ پھینکنے کے علاوہ کوئی بہتر صورت نہیں رہ جاتی ہے، طلاق کو ہر حال میں ممنوع قرار دینا کینسر کے پورے جسم میں پھیل جانے کی اجازت دینے کے مترادف ہے۔ دنیا کے مذاہب طلاق کے معاملہ میں افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ دو بڑے مذاہب عیسائی اور ہندو میں طلاق کی اجازت نہیں ہے، ان کے برخلاف یہودی مذہب میں معمولی سے معمولی وجہ سے طلاق کی کھلی اجازت ہے۔ لیکن اسلام کا قانون طلاق افراط و تفریط سے پاک ہے اور عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ طلاق کی اجازت نہ دینا خلاف فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے وہ مذاہب و اقوام جن کے یہاں طلاق کے اجازت نہیں تھی وہ اپنے ملکی قوانین میں طلاق و جدائی کا دستور وضع کرنے پر مجبور ہوئے، افسوس کہ اسلام کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کے بجائے اپنی عقل کو کافی سمجھا اور راہ راست سے بھٹک گئے نتیجتاً ان ممالک میں طلاق کی شرح 48% تک جا پہنچی۔ مسلمانوں میں طلاق کی اجازت کے باوجود طلاق کی شرح 11% سے تجاوز نہ کر سکی۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اگر عورت کے لیے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو جائے تو وہ اس سے خلع اور تفریق کے ذریعہ علیحدہ ہو سکتی ہے۔

اسلام نے بیوی کا مہر، کھانا، پینا، اور رہائش شوہر کے ذمے عائد کیا ہے، اس کو اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے گھر سے باہر نکلنے اور جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ تجارت یا دیگر ذرائع آمدنی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اس دولت کو گھریلو کام میں خرچ کرنے کا پابند نہیں بنایا گیا ہے۔ اس کو شوہر کے مال کا نگہبان ہی نہیں بنایا گیا بلکہ اس میں بقدر ضرورت تصرف کرنے کا بھی اختیار دیا ہے، اگر شوہر اس کی ضروریات کی تکمیل میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو اسلام نے بقدر ضرورت شوہر کے مال سے بلا اجازت لینے کا بھی حق دیا ہے، ہندہ بنت عتبہ نے حضور اکرم ﷺ نے سوال کیا:

ان اباسفيان رجل شحيح وليس يعطيني مايكفيني وولدي الاماأخذت منه وهولايعلم فقال: خذي مايكفيك وولدك بالمعروف۔

'ابوسفیان بخیل آدمی ہیں وہ اتنا نہیں دیتے جتنا میرے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو جائے، اس لیے میں اس کے علم میں لائے بغیر اس کے مال سے لے لیتی ہوں، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: معروف طریقے سے اتنا لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو جائے۔''

شادی کے بعد اگر عورت تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے تو شوہر کی اجازت سے حاصل کر سکتی ہے، اگر شوہر اس کو اس کی اجازت نہیں دیتا تو اس وقت عورت کو کیا کرنا چاہئے اس سلسلے میں امام فخر الدین حسن بن منصور حنفی فرماتے ہیں:

اذا ارادت المراة ان تخر الى مجلس العلم بغيراذن الزوج لم يكن لها فان وقعت لها نازلة فسالت زوجها وهوعالم فاخبرها بذالك ليس لها ان تخرج بغير اذنه وان كان الزوج جاهلا وسأل عالما عن ذالك فكذالك وان امتنع الزوج عن السوال كان لها ان تخرج بغير اذنه لان طلب العلم فيما يحتاج اليه فرض على كل مسلم ومسلمة فيقدم على حق الزوج وان لم يقع لها نازلة وارادت ان تخرج الى مجلس العلم لتعلم مسائل الصلوة والوضوء فان كان الزوج يحفظ تلك المسائل ويذكرلهاذالك ليس لها ان تخرج بغير اذنه، فان كان الزوج لايحفظ المسائل فالاولىٰ له ان ياذن لها بالخروج فان لم ياذن فلا شئى عليه ولايسع لهاان تخرج بغير اذنه مالم يقع لهانازلة۔

''اگر عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی علمی مجلس میں شریک ہونا چاہے تو اس کا اس کو حق نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی مسئلہ اس پر آن پڑے تو وہ اپنے شوہر سے دریافت کرے گی، اب اگر شوہر عالم ہو اور وہ خود ہی اسے مسئلہ بتا دے یا جاہل ہو اور دوسرے سے تحقیق کرکے اس کو اطلاع دیدے تو اس کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ لیکن اگر شوہر تحقیق کرکے نہ بتائے تو وہ بلا اجازت بھی کسی علمی مجلس میں جاکر دریافت کر سکتی ہے کیونکہ طلب علم مسلمان مرد و عورت دونوں پر فرض ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کے محتاج ہوں اس لیے ایسی

حالت میں طلب علم کو شوہر کے حق پر مقدم رکھا جائے گا، اگر عورت کو کوئی متعین مسئلہ درپیش نہ ہو، لیکن وہ نماز، روزہ، وضو وغیرہ کے مسائل سیکھنے کے لیے کسی علمی مجلس میں شریک ہونا چاہے تو اگر شوہر ان مسائل کو جانتا ہو اور وہ اسے سکھا بھی رہا ہو تو اسے گھر سے نہیں نکلنا چاہئے، جب تک شوہر اس کو اجازت نہ دے، اگر خود شوہر کو ان مسائل کا علم نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو علمی مجلسوں میں شرکت کی اجازت دیدے اور کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو شوہر کو اس کا بھی حق ہے کہ وہ اس کو باہر جانے کی اجازت نہ دے اور اس سے شوہر پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ شوہر کی اجازت کی بغیر عورت کو نکلنے کی گنجائش نہیں ہے جب تک کوئی اہم مسئلہ درپیش نہ ہو۔''

عورت گھر کی مالکہ ہے اور اس کو اپنے دائرہ میں جائز تصرف کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر وہ شوہر کے رشتہ دار کے ساتھ رہنے کے بجائے علیٰحدہ رہائش کا مطالبہ کرتی ہے تو شوہر کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اس کے لیے علیٰحدہ رہائش کا نظم کرے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ شوہر اپنے والدین کی خدمت کرنے پر اپنی بیوی کو مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے والدین کی خود خدمت کرے یا کسی خادمہ کے ذریعہ کرائے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کھانا پکانے، اور بچوں کو دودھ پلانے کی پابند نہیں ہے۔ البتہ ان پر شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری، ان کی خوشی وراحت کا خیال رکھنے کی اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ شوہر کی ہر جائز خوشی وراحت میں شریک ہونا ایک صالح بیوی کا نشان امتیاز ہے۔ صالح بیویاں حضرت فاطمہ بنت محمد اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کو اپنا آئیڈیل بناتی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایما امرأة ماتت و زوجها عنها راض دخلت الجنة.

اگر عورت اس حال میں وفات پاتی ہے کہ اس کا شوہر اس سے خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

شریعت نے عورت کو اپنے شوہر کے انتخاب میں اپنی رائے کے اظہار کا حق دیا ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد یا طلاق کے بعد دوسری شادی کی بھی اجازت ہے۔ لہٰذا برادران وطن کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں بھی عورت کی دوسری شادی کو معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ یہ غیر اسلامی فعل ہے۔ الغرض عورت کو بحیثیت بیوی کے جن حقوق کی مستحق تھی ان سے اسلام نے اس کو سرفراز کیا ہے۔ (بشکریہ: ہدایت) ☆☆☆

بقیہ: اپنے گھر کا ماحول درست کیجئے

برعکس یعنی آپ نے اتنی کوشش نہیں کی کہ جتنی کرنی چاہئے تھی یا آپ نے اتنی لگن اور اتنی کاوش کا مظاہرہ نہیں فرمایا کہ جتنا دنیاوی بیماری پر مظاہرہ کیا تھا۔ اس طرح بے شک آپ کے انداز تربیت میں کوتاہی سمجھی جائے گی۔ جب آپ دنیاوی کاروبار میں اسکے ساتھ معاملہ بہت سخت رکھ سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دین کے معاملہ میں اتنی نرمی کیوں اختیار کرتے ہیں کہ ایک دو دفعہ کہہ دینے یا چند بار ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفا کر لینے کو فرض کی ادائیگی سمجھ لیا گیا۔ جس لگن اور فکر واجتہاد سے آپ ان کے لیے روزگار تلاش کرتے ہیں اتنی ہی لگن ان کی اصلاح کی طرف کیوں نہیں کرتے؟

بہرحال ان کی اصلاح کے لیے سوز قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ آپ دعا کریں اور ساتھ ساتھ ان کی تعلیم وتربیت پر پوری کوشش کریں تو بہت جلد اس کے اچھے ثمرات ظاہر ہوسکتے ہیں۔ جب ایک گھر اپنی اصلاح کی طرف پوری توجہ مبذول کرلے گا تو اس سے ایک اچھا معاشرہ وجود میں آئے گا اور جب ایک معاشرہ اپنی صحیح راہ کی طرف چل پڑے گا تو دھیرے دھیرے ایک قوم صالح و مصلح بن جائے گی اور پھر پوری دنیا میں اصلاح کا چرچا عام ہوجائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک اقتباس یہاں نقل کرنے کو دل چاہتا ہے، جس درد دل اور سوز قلب سے ان کی یہ تحریر معاشرے کی اصلاح کی طرف ہمیں متوجہ کرتی ہے اسکا اندازہ آپ خود کرلیں گے چنانچہ فرماتے ہیں:

''اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا دین برحق ہے اور مرنے کے بعد جزاوسزا کے مراحل پیش آنے والے ہیں تو خدا کے لیے اپنی اولاد کو اس جزاوسزا کے دن کے واسطے تیار کیجئے۔ اسے ضروری تعلیم دلوایئے۔ اس کے ذہن کی شروع ہی سے ایسی تربیت کیجئے کہ اس میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو۔ اس کی صحبت اور کا ماحول درست رکھنے کا اہتمام کیجئے۔ اپنے گھروں کو تلاوت قرآن اور اسلافِ امت کے تذکروں سے آباد کیجئے۔ گھر والے اجتماعی طور پر دینی کتب کا مطالعہ کریں۔ اپنے ذاتی عمل کو ایسا دلکش بنایئے کہ اولاد اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرے۔ اپنے اہل وعیال، اقارب احباب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیجئے کہ صراط مستقیم پر گامزن ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے'' آمین۔

ان باتوں پر اگر خلوص دل سے عمل کرلیا جائے تو ہم اپنے گھر اور معاشرے کو صحیح سمت پر چلا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

☆☆☆

بنتِ حوّا تمہیں ہوا کیا ہے؟

از: سید شعیب رضا فاطمی

یہ سوال ہمیشہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ خواتین کا مقام اس دنیا میں کیا ہے۔ ہر دور اور ہر طبقۂ فکر کے لوگ اپنے اپنے طور پر خواتین کا مقام متعین کرتے رہے ہیں۔ کہیں انہیں شریک حیات قرار دیا جاتا ہے تو کہیں ''اردھانگنی'' یعنی نصف جسم۔ مسلمانوں کے یہاں تو اس سے آگے بڑھ کر نصف بہتر بھی کہا گیا اور اسلام نے عورتوں کے مقام کو اتنا بلند کیا کہ جنت اس کے قدموں کے نیچے لا کر ڈال دیا۔

لیکن ان سب کے باوجود ہر دور اور ہر ملک میں عورتوں کے حقوق کو پامال کیا جاتا رہا (دور رسولؐ کے معاشرے کے علاوہ) اسلام جب عرب میں پھیلا اس وقت وہاں عورتوں کی حالت اتنی خستہ تھی کہ اس کا بیان کرنا بھی مشکل ہے لیکن اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے، ان حقوق کے تفویض کے بعد کا اسلامی معاشرہ دیکھتے دیکھتے ایک ایسا نمونہ معاشرہ ہو گیا جہاں عورتیں محض تفریح کا سامان نہ تھیں۔

دور بدلا، حالات بدلے، پوری دنیا میں اسلام کے چرچے ہونے لگے۔ جہاں جہاں اسلام کے زیر سایہ حکومتیں قائم ہوئیں وہاں عورتوں کو آزادی نصیب ہوتی گئی۔ کار پردازان شیاطین عورتوں کی اس عزت وتکریم پر ہراساں ہو گئے اور پھر چل پڑا شیطانی چکر۔ ظاہر ہے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لیے انہوں نے سب سے پہلے اسلام کو ہی نشانہ بنایا۔ بعد ازاں اس بھولی بھالی مخلوق خدا یعنی بنت مریم کی کمزور عورتوں کے کان میں اپنا یہ شیطانی منتر پھونکا کہ ہم عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلوانا چاہتے ہیں اور انہیں ہر طرح کی ایسی آزادی دلوانے کے خواہشمند ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ کمزور بنت مریم ان کے جھانسے میں آ گئیں اور سب سے پہلے یورپ میں ''نسوانی تحریک'' کا آغاز ہوا۔ شیطان کا کام مکمل ہو گیا اور اس نے خبیث مردوں کی شکل میں اپنے چیلوں کو پوری دنیا میں اس تحریک کو پھیلانے کا ذمہ دار بنایا۔

یہ بات تو حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں عورتوں کا مقام سب سے پست رہا ہے اور عام طور پر عورتیں اس کو اپنا مقدر مان کر مردوں کے آرام وآسائش کے لیے خود کو قربان کرتی رہی ہیں ان کے کانوں میں جب اس آزادئ نسواں کی بات پڑی تو وہ اپنی ذلت کی زندگی سے نجات پانے کے لیے بغیر سوچے سمجھے اس تحریک میں شامل ہو گئیں۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ یہ آزادی صرف اور صرف ایک سراب ہے جو کمینہ خصلت مردوں کے ذریعہ ترکیب دیا گیا ہے تا کہ عورتوں کو گھروں کی چہار دیواری سے باہر نکال کر داد عیش دیا جا سکے۔

موجودہ عہد میں صارفیت نے جب اپنے پنجے عام لوگوں کے ذہنوں میں گاڑنے کی تیاری شروع کی اور عام لوگوں کو اپنے سامان کا گرویدہ بنانے کے لائحہ عمل پر کام کرنا شروع کیا تو ان کی فکر کا محور ومرکز عورت اور صرف عورت بن کر رہ گیا۔ پھر شروع ہوا ایک شیطانی کھیل، جس میں عورتوں کے جسم کی نمائش جنس بازار کی طرح بے دریغ کیا گیا اور یہ سلسلہ مستقل جاری ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آج کے اس صارفی سماج میں جبکہ ہر شخص اپنی بھلائی برائی کے بارے میں خود سوچ سکتا ہے وہ کون سی مجبوری ہے جس کی وجہ سے عورتیں خود اپنی عزت وعصمت کو داؤ پر لگا رہی ہیں جہاں تک میری موٹی سمجھ کا تعلق ہے تو میں نے تو یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس پورے شیطانی چکر کی بنیاد میں پیسہ اور صرف پیسہ ہے۔ جس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ آرام وآسائش حاصل کرنے کی دھن میں ہمارا پورا سماج اور خاص طور پر نئی نسل اس قدر دیوانگی پر اتر آئی ہے کہ اب اسے اس کی سمجھ بھی نہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا۔

مغرب زدگی کا وائرس پوری طرح ہمارے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے اور اپنے آپ کو مغرب زدہ ثابت کرنے کے لیے مرد تو مرد ہماری عورتیں کپڑے اتار رہی ہیں۔ اخلاق وکردار کا جنازہ بہت پہلے اٹھ گیا اب تو عورتیں شقی القلب بھی ہوتی جا رہی ہیں۔

ہم سب لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ عورتیں نہایت رقیق القلب ہوتی ہیں اور پورا معاشرہ ان کی محنت ومحبت نیز شفقت کے سائے میں خوشنما نظر آتا ہے لیکن مغربی تہذیب کی پیدا کی ہوئی صارفیت زدہ سماج نے سب سے زیادہ اثر ہمارے خاندان پر ڈالا ہے۔ خاندان کا نام پہلے ایک بڑے اور

اجتماعی گروپ کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا جس میں باپ، ماں دادا، دادی، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد وغیرہ رشتے باہم شیر وشکر رہتے تھے اور اجتماعیت کا ایک خوبصورت نمونہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب وہی خاندان شوہر بیوی اور ایک دو بچوں پر مشتمل ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ہمارے سماج کا المیہ ہے کہ بظاہر ہم پوری دنیا کو ایک گاؤں تصور کیے بیٹھے ہیں اور ایک خاندان کے جانے کتنے ٹکڑے بھی ہم نے خود بنا لیے اور اس سلسلے میں عورتوں خاص طور پر نئی نسل کی خوش رنگ دکھنے والی عورتوں کا اہم رول ہے۔

مغرب نے ہم کو جہاں احساس سے عاری کر دیا ہمارے گھروں سے اخلاق و کردار کو کوڑے کی طرح نکال کر فیشن کے بت نصب کر دئے وہیں اسقاط حمل (ابارشن) جیسے بہیمانہ اور سفاکانہ عمل عورتوں کے ذریعہ عورتوں کی مرضی سے عام طور پر ہونے لگے۔ وہ بنت مریم جو پھول کی طرح نازک تھی جس کے پیروں کے نیچے جنت ہونے کا فرمان خدائے قدوس نے خود جاری کیا اس عورت نے اپنے دل کو ایسا سخت بنا لیا کہ اپنے کوکھ میں آچکے معصوم کے قتل پر آمادہ ہوگئی، آخر اس سے بڑا سانحہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اپنے جسم کی نمائش تو عورتوں میں عام طور پر دیکھنے کو ملتی ہے لیکن نئی نسل تو دو ہاتھ آگے نکل کر باضابطہ اسٹیج پر ٹی وی کیمرے کے سامنے اپنے جسم کے مخصوص اعضاء کی نمائش جس ہیجان انگیز انداز میں پیش کرتی ہیں، اس کو دیکھ کر شیطان صفت انسانوں کی باچھیں کھلنا حیرت کی بات نہیں۔ لیکن خطرناک اس قدر ہے کہ پورے معاشرے میں نابالغ لڑکیوں تک سے زنا کا جرم عام ہو گیا ہے۔ اور یہ سارا شیطانی کھیل صارفیت زدہ یوروپی سماج نے ہمارے معاشرے پر طاعون کے جرثومے کی شکل میں جان بوجھ کر اسمگل کیا ہے تاکہ ہم ان جنسی لذتوں کے اس قدر عادی ہو جائیں کہ بنیادی مسئلہ زندگی سے کٹ کر رہ جائیں۔ آج کے سماج میں ان تمام مافیائی کرتوتوں کا ذمہ دار صرف مردوں کو کہہ کر ایک بڑی وجہ سے چشم پوشی ہوگی کیونکہ اب عورتیں بھی اس کھیل میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔

ایسے معاشرے میں ہمارے دین اسلام کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ مذہب اسلام کے پرستاروں نے مسجد ومنبر اور زیادہ سے زیادہ مدرسوں تک ہی دین اسلام کو محدود کر دیا ہے معاشرے میں ہو رہی ان مافیائی سرگرمیوں کے خلاف ہمارے لب خاموش ہیں ہمارا قلم چپ ہے اور ہمارے فکری چشموں کے سوتے سوکھ گئے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تمام لوگ اپنا فرض سمجھ کر اپنے گھروں سے اس کام کی شروعات کریں اور پھر پورے معاشرے کو ان آلائشوں سے پاک کرنے کا عزم مصمم کر لیں اور اپنی عورتوں کو بشمول بیوی بیٹی کے اسلامی خطوط پر چلنے کی سختی سے تلقین کریں۔

آج پوری دنیا اگر سب سے زیادہ بے سکون ہے تو اس کی وجہ صرف اور صرف گھروں کا جہنم بن جانا ہے۔ قدروں کا مٹ جانا ہے، تہذیب کا اٹھ جانا ہے، رشتوں کی افادیت کا ناپید ہو جانا ہے۔ اور یہ سب ہوا ہے مذہب کے نام نہاد عالموں کی بے توجہی اور ذاتی اغراض کی ہوس میں۔ ہم نے قرآن کا مطالعہ اس طرح نہیں کیا جیسے کرنا چاہئے۔ قرآن وسنت کی پیروی میں بھی مذہب کے ٹھیکیداروں کے محتاج ہو گئے۔ نتیجتاً ایک خاص قسم کی برہمنیت ہمارے اسلام میں بھی داخل ہو گئی اور ہم فرقوں، قبیلوں، نسلوں نیز مسالک کے امتیازات میں الجھ کر رہ گئے اور ہماری عورتیں آزاد ہو گئیں۔

خدائے پاک کا صاف وشفاف قرآن جو تمام انسانیت کے لیے تحفہ بے بہا ہی نہیں بلکہ ان تمام مسئلوں کا حل بھی پیش کرتا ہے جو ہمارے معاشرے میں داخل ہو گئے ہیں لیکن ہماری نااہلی ہے کہ ہم نے قرآن کو طاقوں میں سجا رکھا ہے، اس کے مفہوم ومطالب سے اپنے کو دور کر رکھا ہے اس سے اپنے درد کی دوا طلب نہیں کرتے اگر کرتے بھی ہیں تو کسی وسیلے کے ذریعہ یعنی دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ آیا ہمارے فلاں معاملے میں قرآن وحدیث کیا حکم دیتا ہے؟ حالانکہ قرآن وحدیث کا پڑھنا اور سمجھنا ہی دین ہے لیکن ہم اس اہم کام کو بھی دوسروں کے وسیلے سے کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

عورتیں آج اگر مسلم معاشرے میں بھی خود کو مظلوم ومقہور تصور کرتی ہیں تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہیں کیونکہ انہیں خود اپنے حقوق وفرائض کا پاس نہیں جو قرآن وحدیث میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ عورتوں کو بیجا فیشن پرستی چھوڑ کر دوسروں کی شکایت چھوڑ کر اپنی مظلومی کا رونا چھوڑ کر قرآن وحدیث کا کھلے دل کے ساتھ فہم و ادراک کے ساتھ مطالعہ کرنا ہوگا۔ اور اگر یہ کام عورتوں نے کر لیا تو ان کی کوکھ سے پیدا ہونے والی نسل اس دنیا میں ایک باعزت اور خوبصورت معاشرے کی تشکیل کرے گی۔ کیونکہ ماں کی گود بچوں کے لیے سب سے پہلا مدرسہ ہوتا ہے اگر پہلی کلاس میں بچہ اول رہا اور اس کی بنیاد میں قرآن وحدیث کو داخل کر دیا گیا تو پھر اسے شیطانی وسوسے پوری زندگی بہکا نہیں پائیں گے۔ انشاء اللہ

☆☆☆

اپنے گھر کا ماحول درست کیجئے

محمد اصغر

جب ایک گھر اپنی اصلاح کی طرف پوری توجہ مبذول کرلے گا تو اس سے ایک اچھا معاشرہ وجود میں آئے گا اور جب ایک معاشرہ اپنی صحیح راہ کی طرف چل پڑے گا تو دھیرے دھیرے ایک قوم صالح و مصلح بن جائے گی اور پھر پوری دنیا میں اصلاح کا چرچا عام ہوجائے گا۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔اس میں ہر ایک طبقے کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔کوئی طبقہ ایسا نہیں، جس کے بارے میں اسلام نے کوئی رہ نمائی نہ کی ہو۔اب صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آمادہ ہو اور اپنا تعلق اپنے حقیقی مالک وخالق سے استوار کرلے۔

آج زمانہ تیز رفتاری سے رواں دواں ہے اور برق رفتاری سے اپنی منزلیں طے کرتا ہوا محو پرواز ہے، لیکن انسان ہی ایک ایسی سست رفتار سواری پر سوار ہے کہ جس کی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے مدت دراز چاہیے۔اس لیے اگر منزل مقصود پانا ہے تو پھر دیر نہ کیجئے جلدی سے اٹھئے اور وضو کیجئے اور دو رکعت نماز توبہ پڑھ کر اللہ کے حضور ہاتھ دراز کیجئے اور گڑگڑا کر اپنی گزشتہ زندگی پر ندامت کے آنسو بہایئے اور آئندہ عزم مصمم کے ساتھ اپنے آپ سے عہد کیجئے کہ باقی عمر اسلامی تعلیمات کے عین مطابق گزارنی ہے کوئی لمحہ اپنے خالق و مالک کی نافرمانی میں نہیں گزرے گا۔

لیکن ہمارے معاشرے میں جو لوگ دین دار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اپنی ذات کی حد تک ہیں۔خود صوم وصلوٰۃ کے پابند اور دین میں سمجھ بوجھ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کا بھی خصوصی اہتمام کرتے ہیں، مگر گھر کے ماحول کو بدلنے کی کوئی فکر نہیں اور اپنے اہل خانہ کو دین کی طرف لگانے کا کوئی اہتمام نہیں۔

اسلامی تعلیمات نے انسان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمے داری عائد نہیں کی، بلکہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کی ذمے داری بھی اس پر ڈالی ہے۔اپنی اولاد، عزیز و اقارب اور اپنے خاندان کو راہ راست پر لانے کا فیصلہ بھی گھر کے سربراہ پر عائد کیا ہے خود حضرات انبیاء علیھم السلام بھی اس فریضے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیے گئے، حتیٰ کہ امام الانبیا فخر الرسل حضرت محمد عربی ﷺ کو نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد جو پہلا تبلیغی حکم دیا گیا وہ یہ تھا۔ وانذر عشیرتک الاقربین (سورۃ الشعراء، پ19)

''اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرایئے!''

''عشیرۃ'' کے معنی کنبہ اور خاندان کے ہیں۔

یعنی تذکیر وترہیب اپنے گھر سے شروع کریں۔چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزیز و اقارب اور اپنے خاندان کو کھانے پر جمع کیا اور ایک مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا جس کے چند مندرجات کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں۔تم میرے مال میں سے جتنا چاہو، مجھ سے مانگ لو۔اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم، جو چیزیں میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں مجھے عرب میں کوئی جوان ایسا معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی شئے لایا ہو میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف دعوت دوں۔تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اس نتیجے میں میرا بھائی بن جائے''۔

(تفسیر ابن کثیر ص:351 ج:3)

ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے خطاب کے ذریعے اسی بات کی تنبیہ فرمائی:

﴿یایھاالذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا﴾

(سورۃ التحریم پ28)

''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے''

اس آیت میں گھر کے سربراہ کو حکم دیا جارہا ہے کہ خود بھی دوزخ کے عذاب سے بچے اور جو اس کی تربیت و کفالت اور ماتحتی میں رہتے ہیں ان کو بھی عذاب سے بچائے۔چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضور ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوکر عرض کیا ''یارسول اللہ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور اللہ تعالی کے احکامات پر پابندی سے عمل پیرا ہوں) مگر اہل وعیال کو ہم دوزخ سے کس طرح بچائیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تمہیں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے تم بھی ان کاموں کے کرنے کا اہل وعیال کو حکم دو اور جن کاموں سے اللہ رب العزت نے منع کیا ہے، تم بھی ان کاموں سے اپنے اہل وعیال کو منع کرو۔ یہ عمل ان کو دوزخ کی آگ سے بچاسکے گا۔''

حضرات فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ہر انسان پر ایک فرض عائد کرتی ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی عملی کوشش کرے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور فخر دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچے کو ادب سکھائے تو بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ (مشکوٰۃ شریف ص423)

ایک دوسری روایت میں ہے جس کے راوی حضرت عمرؓ بن سعد ہیں کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کی کسی باپ نے اپنے بچے کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔'' (ایضاً)

حضرت سعیدؓ بن عاص کہتے ہیں کہ رسول عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا: والد اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے اچھا تحفہ اچھے آداب سکھانا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث مبارکہ کو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے اولاد کی تعلیم وتربیت پر کتنا زور دیا ہے۔ ان کی تعلیم وتربیت کو صدقہ کرنے سے افضل قرار دیا ہے۔

جب اولاد کی اچھی تربیت ہوگی تو وہ راحت اور سکونِ قلب کا ذریعہ بنے گی۔ اگر خدانخواستہ اپنی اولاد کو تربیت اچھی نہ دی ہوگی تو وہی اولاد اس کے لیے دردِ سر بے سکونی کا سبب بنے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فاروق اعظم کے پاس ایک آدمی اپنے بیٹے کی شکایت کرنے کے لیے حاضر ہوا اور کہا کہ میرا بیٹا مجھ کو پریشان کرتا ہے جس سے مجھے رنج وتکلیف ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس کے بیٹے کو بلایا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا تیرے باپ کا تجھ پر کوئی حق نہیں؟ تو اپنے باپ کو کیوں ایذا دیتا ہے۔

بیٹے نے جواباً کہا: ''میرے باپ پر میرے تین حق تھے (۱) نام اچھا رکھتا (۲) تعلیم دلواتا (۳) میری شادی اچھی کرتا۔ انہوں نے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا (تو بغیر تعلیم کے کسی دوسرے کا حق کیسے اور کس طرح معلوم ہوسکتا ہے جو ادا کروں)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے لڑکے سے اور کوئی مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے باپ سے کہا کہ تو کہتا ہے کہ میرا بیٹا مجھے ایذا وتکلیف دیتا ہے اس ایذا کا سبب تو خود بنا ہے۔ لہٰذا میرے سامنے سے اٹھ جا۔ (اصلاحی نصاب حقوق والدین ص۴۱۸) مؤلفہ حضرت تھانویؒ۔

حقیقت یہی ہے کہ جب والدین خود اپنی اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے تو اولاد جب جوان ہو جائے گی وہ والدین کے حقوق کیوں کر ادا کرے گی اور جب حقوق ادا کرنے کی تعلیم ہی نہیں دی ہوگی تو وہ آداب کہاں سے سیکھ کے عمل کریں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہوجائے گی جس سے والدین کو تکلیف پہنچے گی۔

بعض حضرات یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بہت کوشش کی اپنے گھر کے ماحول کو دینی بنانے کی اور اپنی اولاد کو اچھی تربیت دینے کی ،لیکن زمانے کی ہوا ہی ایسی چل پڑی ہے کہ اولاد ہماری وعظ ونصیحت کا کوئی اثر لینے کو تیار ہی نہیں اور نہ ہمارا کیا قصور ہے؟ لیکن یہ خیال محض ایک دھوکا ہے۔

سوال یہ کہ آپ نے کتنی کوشش کی ہے، کتنے اضطراب اور کتنی دل سوزی کے ساتھ ان کو سمجھانے کی فکر کی ہے؟ آپ کی اولاد اگر جسمانی طور پر بیماری میں مبتلا ہوجائے یا خدانہ کرے آگ میں چھلانگ لگانے کی خواہش ظاہر کرے تو اس وقت آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کریں گے اور یہ تڑپ آپ کو کیسے کیسے مشکل ترین اور کٹھن مراحل سے گزرنے پر مجبور کرے گی، لیکن یہ سب کچھ سہہ لینے کا آپ میں جذبہ بیدار ہوگا۔ اور آپ بے تاب ہوں گے کہ کب یہ گھڑی آئے کہ میں اپنے بیٹے کو صحت وعافیت کے ساتھ دیکھوں اور یہ مشکل اور کٹھن ساعت ہم سے ٹلے۔

سوال یہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنے بیٹے کو گناہوں کی چکی میں پستے دیکھ کر اس قدر پریشانی اٹھائی ہے اور اتنی تڑپ محسوس کی ہے جتنی اس کی بیماری کی حالت میں محسوس کی تھی؟

اگر آپ نے اس قدر کوشش کر ڈالی ہے اتنی تڑپ محسوس کی ہے تو بلاشبہ آپ نے اپنا فرض بجا طور پر ادا کردیا ہے اور آپ کی کوشش کو قدر سے دیکھا جائے گا، لیکن اگر معاملہ اس کے (باقی صفحہ ۲۰ پر)

سنت نبوی کا اعجاز

وضو......جلدی امراض کا محافظ

محمد رضوان ندوی

اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندۂ مومن نے وضو کیا اور خوب عمدہ طریقہ سے وضو کیا تو اس کے جسم سے اس کے گناہ ڈھل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ایک دوسری حدیث میں ارشاد عالی ہے: میری امت روز قیامت اس حال میں آئے گی کہ اس کے ہاتھ و پیر وضو کے اثر سے روشن اور چمکدار ہوں گے پس تم میں سے جو شخص اپنی چمک کو بڑھانا چاہے تو وہ اچھی طرح وضو کرے۔

چنانچہ وضو کی پابندی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے جراثیمی منابت کی خورد بینی جانچ کے بعد یہ نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ جو لوگ پابندی کے ساتھ وضو کا اہتمام کرتے ہیں ان میں زیادہ تر لوگوں کی ناک آلائش سے پاک، صاف ستھری اور بیکٹریا کی آمیزش سے خالی ہوتی ہے۔لہذا ایسے تمام افراد کے ناک کے جراثیمی منابت ہر قسم کے جرثوموں سے پوری طرح محفوظ پائے گئے جبکہ پابندی سے وضو کا اہتمام نہ کرنے والے اشخاص کی ناک کے داخلی بیکٹریائی منابت بڑی تعداد میں مختلف اقسام کے کثیر خلوی سرعتِ متعدی خورد عضووں سے بھرپور پائے گئے جو کئی طرح کی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔جدید تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ناک میں مضر جرثوموں کی افزائش سے زہریلی پرتیں جم جاتی ہیں اور ناک کے سوراخوں سے یہ زہر معدہ اور آنتوں تک رسائی پاکر آنتوں کی سوزش اور متعدد بیماریوں کا سبب بنتا ہے، خاص کر خون کے دوران سے یہ امراض اور بھی پھیلتے ہیں، اسی وجہ سے ہر وضو میں مسلسل تین مرتبہ ناک کے اندر پانی پہنچا کر اس کو زور سے جھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔اسی طرح کلی کرنے سے منہ اور حلق کو سوزش و جلن سے تحفظ ملتا ہے اور مسوڑوں میں پیپ کی تولید کی روک تھام کے ساتھ ساتھ پس خوردہ غذائی ریشوں کے ازالہ سے دانت بوسیدگی اور کمزوری کے خطرات سے بچے رہتے ہیں۔یہ تحقیق سامنے آئی کہ جو لوگ دانتوں جیسی بے بہا نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں ان میں ۹۰ فیصد لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ دانتوں کی نظافت کا خیال کرتے تو وقت سے پہلے اس خداداد دولت سے محروم نہ ہوتے۔نیز دانتوں کے اند پیپ اور تعفن کے پیدا ہو جانے سے لعاب اور کھانے کے ساتھ یہ پیپ معدہ میں پہنچ کر خون میں مل جاتا ہے جس سے بہت سی بیماریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔اسی طرح کلی چہرے کے عضلات کو نمو اور ترقی دینے کے ساتھ ساتھ اس کو گول بھی رکھتی ہے۔ورزش و صحت کے جسمانی ماہرین اس طرح کی مشق کی طرف بہت کم توجہ مبذول کر پاتے ہیں کہ ان کی توجہات کا مرکز جسم کے بڑے بڑے اعضاء و اجزاء ہوتے ہیں۔اسی طرح چہرہ دونوں ہاتھوں کو، کہنیوں سمیت اور پیروں کو ٹخنوں تک دھونے سے گرد و غبار اور اس کے اندر موجود جراثیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور کھال اس چکنے مادہ سے پاک وصاف ہو جاتی ہیں جس کو جلدی غدود خارج کرتے ہیں اور پسینہ سے بھی راحت نصیب ہوتی ہے۔تحقیق جدید سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیکٹریا اسی شخص کی کھال پر زیادہ حملہ کرتے ہیں جو اس کی صفائی، ستھرائی کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے اس لیے کہ آدمی جب لمبے عرصے تک اپنے جسمانی اعضاء کو غسل نہیں دیتا ہے تو پسینہ اور چکنائی کے سبب کھال کے اندر سے نکلنے والا مادہ کھال کی سطح پر پرت جما لیتا ہے، جس میں شدید خارش پیدا ہوتی ہے اور اسے ناخنوں سے کھجلانے پر آدمی مجبور ہوتا ہے۔ناخن چونکہ اکثر و بیشتر صاف ستھرے نہیں ہوتے ہیں اس لیے ان کے ذریعہ بیکٹریا کھال کے اندر سرایت کر جاتے ہیں۔اسی کے ساتھ کھال پر جما ہوا میل کچیل بھی بیکٹریا کو دعوت دیتا ہے اور ان کے تنمیہ و توالد کا ذریعہ بنتا ہے۔

علم جراثیم کی تازہ رپورٹ اور نباتاتی و حیواناتی جراثیم کی خورد بینی تحقیق سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جراثیم اس کھال پر زیادہ حملہ کرتے ہیں جس کی نظافت و طہارت کا خیال اس انداز سے نہیں کیا جاتا ہے جو وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے۔

جوں جوں سائنسی و علمی تحقیقات و مطالعات راہ ترقی پر گامزن ہیں اسی اعتبار سے نت نئے تجربے و فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔لہذا نئی تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ہاتھوں کی کھال پر گوناگوں ایسے جرثومے ہوتے ہیں کہ ان کو دھو کر صاف نہ رکھا جائے تو یہ دہن و ناک میں داخل

ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو وہ برتن میں اپنا ہاتھ داخل کرنے سے پہلے تین بار اس کو خوب اچھی طرح دھل کر صاف کر لے۔ وضو کی ابتداء میں ہاتھوں کو اچھی طرح دھونے کا حکم ہے۔

تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دست و بازو کے اوپری حصوں میں اور پاؤں و پنڈلی کے نچلے حصوں میں دوران خون قلب سے دوری کے باعث دوسرے اعضاء کی بنسبت کم پہنچتا ہے، لہذا جسم کے ان اعضاء کو رگڑ کر دھونے سے دوران خون بھی بڑھتا ہے اور اس کے نتیجے میں آدمی کے نشاط اور اس کی قوت کارکردگی میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا ان تمام باتوں سے وضو کی مشروعیت کا علمی اعجاز نمایاں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر احمد شوقی ابراہیم جو کہ لندن کے رائل میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے ممبر اور ہارٹ و باطنی امراض کے ماہر ہیں کہتے ہیں کہ سائنس داں اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ وضو کے درمیان پانی پر روشنی کی شعاعوں کے پڑنے سے منفی برقیاتی ذرات کے اندر تحریک پیدا ہونے سے اور مثبت برقیاتی ذرات کے اندر تقلیل پیدا ہونے سے جسم کو راحت وسکون نصیب ہونے کے ساتھ ساتھ ہائی بلڈ پریشر، پٹھوں کے درد اور اضطراب و بے چینی، کم خوابی جیسی بیماریوں سے بھی چھٹکارا ملتا ہے، جس کی تائید ایک امریکی سائنس داں کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ پانی کے اندر ایک جادوئی قوت پوشیدہ ہے اور وضو کے ارادہ سے چہرہ و ہاتھوں پر پانی بہانے سے جسم کو انتہائی فرحت ولذت اور سرور وسرود حاصل ہوتا ہے۔

حق یہ ہے کہ اسلام کے ہر حکم کے اندر بے شمار ظاہری و باطنی، روحانی وجسمانی، اخلاقی و آفاقی ایسے فوائد وکمالات اور منافع ومصالح پوشیدہ ہیں کہ جس کو اختیار کر کے اور مشعل راہ بنا کر اگر دنیا اس کی روشنی میں اپنا علمی و تحقیقی سفر طے کرے تو پوری انسانیت کو امن وآشتی اور سکون وقرار کا انمول پیغام اور ہدایت ورہنمائی کا سرمدی انعام حاصل ہو سکتا ہے۔ اے کاش کہ دنیا اسلام اور پیغمبر اسلام کو پہچانتی کہ ان کی تعلیمات میں ہر مرض کا علاج ہر درد کا درماں موجود ہے۔

دست ہر نااہل بیمارت کند
سوء مادر آکہ تیمارت کند

(بشکریہ: ماہنامہ ہدایت)

☆☆☆

بقیہ: اسلامی معاشرے پر مغربی تہذیب کی یلغار

جو فکر وقیاس میں نہیں آتے۔ جو مسائل مغرب کے فکر وقیاس میں نہیں آتے ان کا حل ان کے پاس نہیں ہے اور آج کا انسان جن اہم تین مسائل سے دوچار ہے ان کا حل لیبارٹیوں میں نہیں ہے، ان کا حل صرف اسلام میں ہے۔ کاش انہیں معلوم ہو جاتا کہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت اب بھی زندگی اور طاقت کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے عالم اسلام کی خشک رگوں میں زندگی کا گرم اور تازہ خون پھر دوڑ سکتا ہے۔ ان کے مطالعے اور اثر سے اس جاہلی دنیا کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے اور ان کی تاثیر سے ایک اونگھتی، سوتی قوم ایک پر جوش بے چین اور سرگرم عمل قوم بن جاتی ہے۔ ان کے اثر سے (اگر ان کو اثر کرنے کا موقع دیا جائے) پھر ایک بار ایمان اور نفاق، یقین اور شک، وقتی فوائد اور مستحکم عقائد، موقع پرست ذہنیت اور حق پرست ضمیر، عقل مصلحت کوش میں اور عشق مصلحت سوز کے درمیان پھر معرکہ کارزار گرم ہوتا ہے۔ پھر جسمانی راحت اور قلب کے سکون، تن آسانی کی زندگی اور شہادت کی موت کے درمیان کش مکش پیدا ہوتی ہے، وہ مبارک کش مکش جو ہر پیغمبر نے اپنے اپنے وقت میں پیدا کی تھی اور جس کے بغیر حق وباطل کا فیصلہ اور اس دنیا کی اصلاح وانقلاب کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، اس وقت عالم اسلام کے گوشے گوشے اور مسلمانوں کے ایک ایک گھر اور ایک ایک خاندان میں ایسے صاحب ایمان نوجوان پیدا ہوں گے جن کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے:

انهم فتية آمنوا بربهم و زدنهم هدى وربطنا علىٰ قلوبهم اذقاموا فقالوا ربنا رب السموات والارض لن ندعو من دونه الهاً لقد قلنااذاً شططاً (الکہف: 13-14)

(وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے جب کہ وہ (دین میں) پختہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہیں کریں گے کیوں کہ اس صورت میں ہم نے یقیناً بڑی ہی بے جا بات کہی)

اس وقت پھر دنیا میں ایک بار بلال وعمار، خباب وخبیب، صہیب ومصعب، عثمان مظعون اور انس بن النضر کے جوش ایمانی اور ایثار وقربانی کے نمونے نگاہوں کے سامنے آئیں گے، جنت کی ہوائیں اور قرون اولیٰ کے ایمانی جھونکے دوبارہ چلیں گے اور ایک نیا عالم اسلام ظہور میں آئے گا جس سے موجودہ عالم اسلام کو کوئی نسبت نہیں۔ ☆☆☆

ایک امریکی نومسلم بچی ''سارہ''

(انٹرویو)

[اسلام وہ دین ہے جس نے ہر زمانے میں، ہر جگہ اور ہر عمر کے انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنے دامن رحمت کے آغوش میں انھیں پناہ دی ہے۔ یہاں ۱۴ سالہ امریکی نومسلمہ سارہ کا حیرت انگیز انٹرویو قارئین کے پیش خدمت ہے۔ یہ انٹرویو اسلام وے ڈاٹ کام کے ذریعہ لیا گیا ہے۔] (مترجم)

سب سے پہلے میں آپ کو قبولیت اسلام پر مبارکباد دیتا ہوں۔

سارہ: وعلیکم السلام، بہت بہت شکریہ۔

اسلام وے: کیا آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں گی؟

سارہ: میرا نام سارہ ہے، میری عمر ۱۴ سال ہے، ہائی اسکول کی طالبہ ہوں اور امریکہ میں رہتی ہوں۔

اسلام وے: خوش آمدید سارہ! میں یہ دیکھ کر واقعی حیرت زدہ ہوں کہ اس کم عمری میں بھی کوئی حق کی تلاش کرے۔ کیا آپ ہمیں بتا سکتی ہیں کہ اسلام کے بارے میں پہلی مرتبہ کہاں سنا؟

سارہ: جی ہاں! پہلی بار میں نے اسلام کے بارے میں تین سال پہلے سنا۔ مجھے خدا اور مذہب کے بارے میں بہت دلچسپی تھی اور میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ دوسرے لوگ کن چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور اسی طرح میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا۔

اسلام وے: کیا یہ عجیب بات نہیں کہ مذاہب کے بارے میں آپ اسٹڈی کریں جب کہ آپ کی عمر صرف ۱۱ سال کی تھی؟ کیا کوئی غیر معمولی چیز ایسی ہے جو آپ کو آپ کے اطراف واکناف کے بچوں سے ممتاز کرتی ہے؟

سارہ: (مسکراتے ہوئے) میں بھی یہ عجیب سمجھتی ہوں کہ ۱۱ر سال کی عمر میں کوئی مذہب کے بارے میں غور وفکر کرے۔ میری بہت سی سہیلیاں بھی نہیں جان سکیں کہ خدا کو جاننے کے لیے میرے اندر اتنی دلچسپی کیسے پیدا ہوئی؟ بات یہ ہے کہ میرا تعلق عیسائی گھرانے سے ہے۔ میری پرورش بھی یہیں ہوئی تو صرف مجھے ہی یہ بات فطری لگتی ہے کہ میں مذہب کا زیادہ گہرائی کے ساتھ مطالعہ کروں اور میں یہ فیصلہ کروں کہ حق کیا ہے۔

اسلام وے: کیا آپ نے اس وقت قرآن کا مطالعہ کیا؟

سارہ: نہیں اس وقت نہیں۔

اسلام وے: ''مسلمان عورت مظلوم ومغلوب ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ مغربی عورتوں کی طرح اس کو بھی آزاد کیا جائے'' کیا اس جملے پر آپ کو کوئی اعتراض ہے؟

سارہ: مجھے یہ بات غمزدہ کرتی ہے کہ اس دنیا میں بہت سارے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمان عورت مظلوم ومغلوب ہے۔ میرا ماننا یہ ہے کہ ہم اس کرۂ ارض پر سب سے زیادہ آزاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کے لیے اس نے ہمیں سب سے زیادہ آزادی بخشی ہے۔

اسلام وے: اچھا، آپ مغرب میں کس نہج سے دیکھتی ہیں۔ کیا وہاں عورت آزاد ہے؟

سارہ: نہیں، مغرب کی بہت ساری عورتیں مظلوم ہیں۔ ہم کو جنسی کھلونے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بہت ساری عورتیں ایسے کپڑے پہنتی ہیں جو مشکل سے ان کے جسم کو ڈھانپ سکتے ہیں۔ وہ اپنے جسم کو دوسروں کی نگاہ میں پرکشش بنانے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ہم کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ میڈیا کے معیار کے مطابق بڑا ہی موزوں اور مناسب جسم ہمارے پاس ہے اور ہم سے یہی امید کی جاتی ہے کہ میڈیا جس چیز کا ہم سے مطالبہ کرے ہم اس کو انجام دیں اور یہ چیز ہماری اور اللہ کی توہین ہے۔

اسلام وے: تو کیا آپ حجاب (پردہ) پہنتی ہیں؟

سارہ: نہیں، میں نہیں پہن رہی ہوں۔ مجھے اس کی بہت خواہش ہے لیکن میرے گھر والے اس بات سے آگاہ نہیں ہیں کہ میں اسلام لے آئی ہوں۔ میں ان کو اس کے متعلق باخبر کرنے کے بعد حجاب پہنوں گی۔

اسلام وے: کیا آپ اس بارے میں گھر والوں کے آگاہ ہوجانے کے بعد کوئی اندیشہ محسوس کرتی ہیں؟

سارہ: میں کچھ نہیں کہہ سکتی اور یہی ڈر مجھے ان کو بتانے سے باز رکھے ہوئے ہے۔

اسلام وے: اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ آپ کو اس کی طاقت اور یہ قدم

اٹھانے کے لیے آپ کو استقامت عطا فرمائے۔ میں یہ امید کرتا ہوں کہ جو مسلمان بھی اس انٹرویو کو پڑھے گا آپ کی پریشانی کو آسان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا۔ انشاء اللہ۔ مسلم امت میں وہ کیا چیز ہے جسے آپ سب سے زیادہ پسند کرتی ہیں؟

سارہ: مسلمانوں کے اندر اسلام کے لیے سب کچھ وقف کرنے کا جو جذبہ ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے۔

اسلام وے: آج کل بہت سارے مسلمان عملی مسلمان نہیں ہیں پہلے یہ بتائیے کہ آپ ان کے متعلق کیا محسوس کرتی ہیں اور کیا یہی وجہ ہے کہ اسلام تیزی سے نہیں پھیل رہا ہے اور بے عمل مسلمانوں کے لیے آپ کا کیا پیغام ہے؟

سارہ: (۱) میں پورے یقین کے ساتھ آپ کی اس بات کو غلط قرار دیتی ہوں کہ آج کل بہت سارے مسلمان عملی مسلمان نہیں ہیں۔ میں نہیں مانتی کہ کوئی عملی مسلمان بنے بغیر بھی سچا مسلمان بن سکتا ہے۔ اسلام صرف ایک مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ یہ زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے اور بہت ساری چیزوں میں یہ بھی ایک چیز ہے جسے میں پسند کرتی ہوں۔

(۲) اسلام آج اس دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس میں حق کو پاتے ہیں اور جب وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے تو ان کو حیرت انگیز خوشی اور لطف نصیب ہوتا ہے۔

(۳) اللہ پر توکل کیجئے۔ پوری طرح اس کی عبادت کیجئے۔ وہی آپ کو ایک عملی مسلمان بننے کے لیے امن خوشی اور لطف نصیب کرے گا۔

اسلام وے: مستقبل میں آپ کے کیا ارادے ہیں؟ آپ کیا خواب دیکھتی ہیں؟

سارہ: میں ہمیشہ یہ خواب دیکھتی ہوں کہ میں دنیا کی قائد بنوں اور پھر ایک بار مختلف لوگوں کے درمیان امن، شانتی اور اچھے تعلقات قائم کرنے میں معاون بنوں۔

اسلام وے: عربی سیکھنے کا کیا آپ کا کوئی منصوبہ ہے؟

سارہ: جی ہاں، زبانوں سے مجھے محبت ہے اور میں اس کا لطف اٹھاتی ہوں، میرے والدین بھی مجھے عربی سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ میں پوری امید کے ساتھ اس زبان کے کورس کا آغاز کروں گی۔ میرے والد بہت سالوں تک ایک عرب ملک میں رہ چکے ہیں تو وہ بھی میری مدد کریں گے۔

اسلام وے: ہاں تو بتائیے کس ملک میں؟

سارہ: سوڈان میں۔

اسلام وے: کیا آپ ہمیں پوری تفصیل کے ساتھ بتا سکتی ہیں کہ آپ نے اسلام کیسے قبول کیا؟

سارہ: میں نے دراصل تین سال قبل اسلام کے بارے میں سنا تھا۔ میرے والدین کو اس کا علم ہو گیا کہ اس کا مطالعہ کر رہی ہوں تو انھوں نے مجھے آئندہ اس سے منع کیا۔ آخر کار جب میں نے ہائی اسکول کے لیے ایک نئے اسکول میں داخلہ لیا تو وہاں پر بہت سارے مسلم طلبہ تھے۔ جب میں نے پہلے وہاں جانا شروع کیا تو جو میں پڑھ چکی تھی وہ سب کچھ مجھے یاد تھا اور میں اس تجسس میں تھی کہ یہ لوگ کرتے کیا ہیں۔ میرے والدین نے مجھ سے کہا تھا کہ مسلمان خوفناک، جنگجو اور بدکلامی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں تو میں یہ سوچتی تھی کہ وہ اس طرح ہی ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ میں نے سب سے پہلے وہاں مسلم طلبہ سے ہی دوستانہ تعلقات بڑھائے۔ وہ لوگ بہت اچھے، ہمدرد، اور دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے والے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ خدا کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور میں حیرت زدہ تھی کہ اسلام سے ان کو کتنا پیار ہے۔ میں بہت جلد ہی ان کا احترام اور ان کے عقائد کے متعلق دلچسپی لینے لگی۔ ایک دن میرے ایک دوست نے ان سے اسلام کے متعلق پوچھا تو بہت دیر تک اللہ، اسلام اور روزانہ کی زندگی کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ مجھے ان پر بہت تعجب ہوا میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور انٹرنیٹ سے اسلام کے متعلق بہت ساری معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد جلد ہی میں نے کلمہ شہادت کا اقرار کیا اور اس طرح میں نے اسلام کو قبول کیا۔ اب تک میں حیران ہوں کہ میری زندگی کتنی خوشگوار اور پیاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے روزمرہ کی زندگی میں اور زیادہ قوت دی ہے۔ انشاء اللہ میرے والدین اس کو دیکھیں گے۔

اسلام وے: انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر آپ کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

سارہ: وعلیکم السلام، آپ کا بہت بہت شکریہ۔

☆☆☆

صحافت کو فسطائی رجحانات سے دور رکھنا ہوگا

شاھد عادل قاسمی

صحافت ایک عظیم اور مہتم بالشان فن ہے، سیکڑوں فرائض سموئے ہوئے ایک وسیع وعریض عمل ہے۔ دماغی صلاحیت، زبان ولسان کی طاقت، اخلاقی جرأت، شجاعت وصداقت اور مختلف الوقت مختلف الانواع قربانیوں کی ضرورت ان کی بنیاد اور اہم ستون ہیں۔ ماحول کی تصویر کشی، حالات کی عکاسی، اغراض ومقاصد کی ترجمانی، رائے عامہ کی نباضی اور اخلاقی روایات واقدار ہی کا نام صحافت ہے۔ بے باک قلم کار، بے لاگ، بے خوف وخطرات، پرداز اور بغیر کسی دباؤ وانتشار وافتراق کے لکھنے والوں کو ہی ایک بلند خیال اور عزم مصمم والے شخص کو صحافی کہا جاتا ہے۔ دنیا کے دیگر شعبوں کی معیت میں شعبہ صحافت بھی مختلف Chaillanges کی شکار ہیں اور بہت سارے چیلنجز ہیں اور ان چیلنجز سے صحافت گزر بھی رہی ہے لیکن درحقیقت صحافت کا کام ملک میں، سوسائٹی میں، ڈپارٹمنٹ میں جو حقائق ہیں ان کو اجاگر کریں، عوام کے سامنے رکھیں، صحافت خواہ قانون ہو، تکنیکی ہو، مذہبی ہو، یا ریسرچ صحافت ہو، ان سے منسلک افراد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی لائن کی تمام معلومات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مذہبی رپورٹنگ کے لیے اپنی معلومات، قانونی اور تکنیکی رپورٹنگ کے لیے قانونی اور ٹیکنالوجی معلومات کا ہونا ضروری ہے تاکہ گاہے بگاہے رپورٹنگ کے دوران تاریخی باتیں بھی کاسٹ ہوتی رہیں اور اس کے علاوہ صحافی کے لیے یہ لازمی اصول ہے کہ آپ کا تعلق خواہ کسی پارٹی یا جماعت سے ہو، آپ کا دھرم اور ذات ونسل خواہ کوئی ہو اور آپ خواہ کسی بھی طرح کا ذہن رکھتے ہوں۔ لیکن آپ کو آزاد خیالی سے، مصیبت واپنائیت کی عینک کو اتار کر کے رپورٹنگ کرنی ہوگی کیونکہ ایک کامیاب صحافی کا سچا، بے باک، نڈر کے ساتھ ساتھ غیر جانبدار ہونا بھی ضروری ہے۔

لیکن افسوس کہ آج کی صحافت اور صحافی کا جائزہ لیتے ہیں تو کچھ کو چھوڑ کر مایوسی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ حالیہ صحافت دباؤ، تناؤ، انتشار، افتراق، خطرناک، ڈرپوک اور بے جا مصلحت والی ہوگئی ہے۔ کمزوری ان کی کمر میں اٹک گئی ہے۔ دورحاضر کی صحافت سسکتی، کراہتی، ظلم وستم اور جبر واستبداد کی چکی میں پسی جارہی ہے، جبکہ ماضی کی صحافت کذب بیانی، غلط بیانی، تعصب وعصبیت، انتشار وافتراق، خوف وخطر، وحشت ودہشت سے مبرہ اور منزہ ہوا کرتی تھی قلم وادب سے بے انتہا رغبت، زبان ولسان سے بے انتہا محبت، کلام وبیان کی غلط راہوں اور بے لوث پروپیگنڈے سے کوسوں دور رہا کرتی تھی اور رہنا بھی ضروری ہے اس لیے کہ جو صحافت ان چیزوں سے دور رہے گی وہ جمود وتعطل اور انتشار وافتراق کی شکار ہوگی ہی۔'' مہاشہ کرشن جی' ۱۱/اگست ۱۹۵۷ کے ''پرتاپ'' میں لکھتے ہیں:

''اخبار نویس، خبر فروش یہ ایک عام دکاندار کی طرح نہیں ہوتا، اس کا خبریں بیچنے کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کاز کے لیے اپنی زندگی وقف کردیتا ہے۔ اس پر جبر واستبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسے ہمیشہ مجبور ومقہور کی ترجمانی کرنی چاہئے اور ضرورت پڑنے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔''

مگر ہائے صد حیف مذکورہ تحریر کو مدنظر رکھ کر محاسبہ کیا جائے تو آج کی صحافت سے وابستہ ایک بڑی تعداد اس اصول اور ضابطے سے گرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ زندگی کی قربانی کی جگہ دوسروں کی عزت وعصمت اور احترام واکرام کی بلی چڑھا دی جاتی ہے۔ ایک من گھڑت، بے سند اور بے بنیاد کہانی کو گڑھ کر ایسا واقعہ بنا دیا جاتا ہے، جہاں ظالم مظلوم، جابر مجبور، قاتل مقتول، غالب مغلوب، ہوجاتا ہے اور اس طرح انصاف وقوانین اور دستور آئین کا دن دھاڑے قتل ہوجاتا ہے جبکہ دنیا جانتی ہے کہ صحافت دودھاری تلوار ہے، تھوڑی سی چوک سے کایا پلٹ جاتی ہے۔ سزاوار عزت دار بن جاتے ہیں اور مستحق جزا مستحق سزا بن جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں صحافت کے لیے سب سے بڑا عمل یہی ہوتا ہے کہ وہ ایمان داری، دین داری حق پرستی، حق گوئی، جواں مردی اور بلا کسی طمع حرص کے اپنے فریضے کو انجام دیں اس لیے کہ صحافت آج ایک تخلیقی عمل ہے اور تخلیقی عمل میں تخریب کاری ناممکن ہوتی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ صحافت رات کی گھنگھور تاریکیوں اور ناگفتہ بہ حالات کی تنگ گلیوں میں بھی گھوم گھوم کر شجاعت وبہادری، صداقت وعدالت، ہمت وجسارت اور حق گوئی کی صدائے بازگشت کرتی رہتی ہے، تمام قوم وملل، نسل وذات پات، مذہب ودھرم، جماعت وگروپ بندی اور تمام لوگوں کو یکساں تصور کرتی ہے سبھی کے حقوق کو یکساں سمجھ کر ملت اور سوسائٹی میں پھیلے ہوئے افتراق وانتشار کو ختم کرتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

''حق بات کہتے جاؤ، چاہے سننے والا ایک بھی شخص نہ ہو، اخبارات

کوسماج کا آئینہ دار ہونا چاہئے ،اصلاح معاشرہ اور عوام میں جدید ترین علوم وفنون کا فروغ ہو''

اخبارات سے متعلق ایک اصول بتلایا گیا ہے اور مولانا نے عمل کر کے دکھایا بھی ہے حتی کہ مولانا نے صحافت کو صور اسرافیل تک کہہ دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

آہ کاش ! مجھے وہ صور قیامت ملتا جس کو لے کر میں پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھتا، اسی ایک صدائے رعد عصائے غفلت شکن سے سر گشتگان خواب ذلت ورسوائی کو بیدار کرتا، چیخ چیخ کر پکارتا کہ اٹھو کیوں کہ بہت سو چکے ہو اور بیدار ہو کیوں کہ تمہارا خدا تمہیں بیدار کرنا چاہتا ہے، تمہیں موت کی جگہ حیات، زوال کی جگہ عروج اور ذلت کی جگہ عزت بخشنا چاہتا ہے۔''

(الہلال، ۱۳/جولائی ۱۹۱۲ء)

یہ ہے مولانا آزاد کے پرچہ ''الہلال'' کی پہلی جیتی اور جاگتی آواز جو مردہ دل انسان کو زندہ دل بنا دیتی ہے، عظمت کی چادر کو چاک کر کے بیدار کر دیتی ہے مگر آج کی ایک صحافت ہے کہ بیدار کو بیکار کر دیتی ہے، دباؤ میں آ کر اناپ شناپ خبریں شائع کروا کر ملک وملت کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیتی ہے، قیاس آرائیاں اور فضول لن ترانیاں ملکی صورت حال کو بھی بگاڑ دیتی ہیں اور بے بنیاد خبروں کی اشاعت سے پیدا شدہ حالات اور ماحول پر چٹخارے لے کر صحافت پر مزید کلنک پوتنے کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ حالیہ معاملہ کو دیکھ لیجئے کہ چودھویں لوک سبھا انتخاب سے قبل کس قدر ''انگریٹ پول'' والا معمہ لا کر ووٹروں کو بے وقوف بنایا، کتنے لوگوں کے ذہن کو مفلوج کیا، کتنے نقصانات ہوئے، کون ہوں گے اس کے ذمہ دار؟ کیوں رچی گئی ایسی سازش؟ کس نے بنایا یہ پلان؟ کس کے تحت بنی یہ پالیسی؟ اس طرح کے دسیوں سوالات ذہن و دماغ میں گردش کر رہے ہیں اور ان سب سوالوں کا جواب پیسہ، پیسہ، پیسہ ہے، اس لیے کہ صحافت کو جب پیسہ کمانے کا ذریعہ مان لیا جائے تو حالات ایسے ہی پیدا ہوں گے، زر خرید قلمکاریوں ہی صحافت کو بدنام کریں گے جبکہ صحافت کی زبان مستند ہوا کرتی ہے، سوچ سمجھ کر لب کشائی کی جرأت کرتی ہے اس لیے کہ زندگی کی ناہمواریوں، حکومت کی پالیسیوں اور عدالت کی انصافیوں اور ناانصافیوں کی جانب پہرے داری کا کام یہی کرتی ہے، غلط پروپیگنڈوں، مشوروں، اسکیموں، اصولوں، قوانین اور بے قاعدگیوں کی جانب انگشت نمائی یہی کرتی ہے، لوگوں کے ارادوں کو جلا بخشتی ہے، سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ کو ہلاک کرتی ہے کیونکہ صحافتی میدان سے وابستہ شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ صداقت پر مبنی واقعات کی تشہیر کرے۔ جھوٹی اور غلط خبروں کی اشاعت سے کماحقہ احتراز کرے اس لئے کہ جھوٹی خبریں ہمیشہ ہمیشہ فتنہ وفساد وقتال کی سبب بنتی ہیں۔ صحافت سے وابستہ رہے ''جوزف پولٹرز'' کہتے ہیں: ''خبر کی درستگی کسی بھی صحافی کے لیے ایسے ہی ہے جیسے کسی دوشیزہ کے لیے اس کی عصمت۔''

اب آپ خود عظمت قلم اور حرمت صحافت کا انداز ہ کیجئے اور موجودہ زمانے کی صحافت پر جائزنا قدانہ نگاہ بھی دوڑا ئیے تو حسرت وافسوس ضرور دامن گیر ہوگی اور فن سے وابستہ افراد کو یہ عمل کر کے دکھانا ہوگا کہ صحافت کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر کام کریں، صداقت وعدالت کی میز پر قلم وقرطاس کو حرکت دیں، بغیر کسی خوف وخطر کے بے باک، بے لاگ رویہ اپنائیں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس میدان سے رخصت لے لیں اور عظیم المرتبت فن کے خوبصورت جسم پر داغ نہ لگائیں۔ مولانا محمد علی جوہر لکھتے ہیں: ''اخبار کو ذاتیات سے مبرا ہونا چاہئے۔ جو لکھا جائے متانت اور سنجیدگی سے لکھا جائے۔ مقصد یہ ہو کہ اپنی قوم کو فائدہ پہنچایا جائے۔ یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ کسی قوم کو نقصان پہنچایا جائے، اسے خیال رکھنا چاہئے کہ واقعات صحت کا معیار اتنا بلند ہو کہ مورخ اس کی تحریروں کی بنیاد پر تاریخ کا ڈھانچہ کھڑا کر سکے۔ صحافی رائے عامہ کا ترجمان ہی نہیں، رہنما بھی ہوتا ہے۔ اسے صرف عوام کی تائید ہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ صحافتی ہنر سے عوام کو درس بھی دینا چاہئے۔''

ان اصولوں کی نگرانی میں اگر کام کیا جائے تو قلم آلودگی اور ناپاکی سے پاک رہے گا۔ دنیا سراہے گی، ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا اور قلم کار کی عزت بھی ہوگی، ورنہ اعتماد ختم ہو سکتا ہے۔ صحافت سے دلچسپی ہٹ سکتی ہے گزشتہ برسوں میں گجرات فسادات پر صحافت نے جو رول انجام دیا ہے وہ قابل عزت اور لائق صد افتخار ہے۔ سچائی کو صحافت نے گلے سے لگا کر ایک انمول قربانی پیش کی ہے۔ بوسنیا، یوگوسلاویہ، چیچنیا، فلسطین عرب امارات، افغانستان، عراق اور دیگر مقامات وحالات کی جو تصویر کشی ہوئی ہے۔ اسے ہندوستان ہی نہیں بیرون ہند میں بھی لوگ ماننے کے لیے مجبور ہیں مگر بعض شر پسند عناصر اس زمرے میں ایسے آ گھسے ہیں جن کی صحافت زہر افشانی کا کام انجام دیتی ہے۔ ہمیں اس قسم کے فسطائی رجحانات کو صحافت سے دور رکھنا ہوگا۔

(بشکریہ: راشٹریہ سہارا)

☆☆☆

اسلامی معاشرے میں مغربی تہذیب کی یلغار

محمد شمیم اختر قاسمی

آکسفورڈ یونیورسٹی کے ۶۷ فی صد طلبہ وطالبات شادی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہیں۔ ۲۴ فی صد طالبات نے تسلیم کیا ہے کہ وہ یہاں آنے کی بعد کنواری نہیں رہتیں اور اب بھی ان کے باقاعدہ جنسی تعلقات ہیں۔ ۲۵ فی صد طالبات مانع حمل گولیاں استعمال کرتی ہیں۔ ۲۱ فی صد طلبہ وطالبات فحش وعریاں جرائد خریدتے ہیں۔ ۳۸ فی صد طلبہ وطالبات ہم جنسی کے قائل ہیں۔

ایک یونیورسٹی سروے رپورٹ کے مطابق آسٹریلیا میں ۶ ہزار سے زائد بچے جن کی عمر ۱۸ برس سے کم ہیں اپنے علاج، غذا، رہائش، شراب اور سگریٹ کے حصول کے لیے اپنا جسم فروخت کرتے ہیں جب کہ وہاں کی حکومت ان کو اس حالت زار سے نکالنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی۔

ایک امریکن رسالہ مغربی ممالک کے اخلاقی حس کے مردہ ہو جانے اور بے حیائی وزنا کاری کے عام ہونے کی وجوہ پر ماتم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں۔ فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا جارہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جوان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید وامتیاز سے ناآشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی جارہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب ومعاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے۔''

اسی اخلاقی بگاڑ کو دیکھ کر سیوا سماجی رہنما پاول کہتا ہے ''اگر یورپ صرف زنا سے بچ جائے تو اس کے سارے مسائل میں حل کردوں گا۔ اس سلسلے میں یورپ کی عوام اقدام بھی کررہی ہے کہ کسی طرح اس اخلاقی بگاڑ کا سد باب ہوسکے، مگر اب تک خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوسکے، مگر پیرس کے ''دی پوائنٹ'' نے ایک سروے کیا تھا جس کی رو سے 68 فی صد شہریوں نے امریکی کلچر کے بڑھتے ہوئے اثرات پر تشویش ظاہر کی تھی اور اسے روکنے کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ چین نے جو امریکہ کی نگاہ میں اسلام کے بعد دوسرا بڑا دشمن ہے، 1997ء میں اپنے مشرقی صوبہ گوانگ ڈونگ میں مغربی فحاشی کے خلاف بڑے پیمانے پر مہم چلائی۔ بیس ہزار فحش رسائل اور 56 ہزار گندے کیسٹ ضبط کیے۔

بے حیائی کی یہ دنیا ہے جہاں کسی کی عزت محفوظ نہیں۔ اور مغرب سے بے حیائی کی ہوا جب چلتی ہے تو سیدھی اسلامی معاشرے پر آکر تھمتی ہے۔ ان کے اصول زندگی اور عادات واطوار کو قبول کرلینا مسلم معاشرے میں امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ عموماً لڑکیوں کی خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ فلم اور تھیٹر کی زندگی اختیار کرلیں۔ چنانچہ ان کی ایک خاص تعداد اپنے آپ کو فلم پروڈیوسر اور ڈائریکٹروں کی ہوس رانیوں کے حوالے کر کے بے نیل ومرام ختم ہوجاتی ہے۔ یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس کے بعد وہ کیا کچھ نہیں کرتیں آپ سوچ سکتے ہیں جب کہ قرآن کریم کی تعلیم یہ کہ **فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض و قلن قولاً معروفاً. (الاحزاب:32)**

کیا اسلام اس بات کو پسند کرسکتا ہے کہ لڑکیاں بینکوں کی کلرک، فضائی میزبان، ریستوران میں خدمت گار، مغنیات، رقاصائیں، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر اداکارائیں بنی ہوئی نظر آئیں۔ ہرگز نہیں۔

''کسی مسلم معاشرے کا من حیث المجموع میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے اصول زندگی اور طرز معاشرت کو قبول کرلینا بڑے دوررس اور خوفناک نتائج رکھتا ہے۔

جس معاشرے میں اخلاقی اور سماجی برائیاں ہوں گی وہ خواہ کتنا ہی دولت منداور بااثر ہو، اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ اس میں پائداری نہیں ہوتی، کیوں کہ معاشرتی اصول ناپید ہوتے ہیں۔ آج کل کے مغربی

معاشرے اور سوسائٹی میں اخلاق وقار کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے اور معاشرتی وسماجی اصول جو روندے جارہے ہیں اس کی وجہ سے اس قوم کا اخلاق بہت بگڑ چلا ہے اسلام نے چند بنیادی اصول مقرر کردیے ہیں جن کے اندر رہ کر معاشرہ ترقی کرسکتا ہے۔ان سے باہر نکلنا اخلاق وانسانیت کی موت کے مترادف ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''زنا کار مرد اور زنا کار عورتوں کے لیے پتھر ہے، عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، تمہارا حق عورتوں پر ہے اور عورتوں کا تم پر اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، کیوں کہ وہ بھی تمہاری طرح خدا کی بندیاں ہیں۔لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت کرے اس پر خدا اور رسول اور فرشتوں کی لعنت ہو۔''

صلیبی جنگوں میں شکست کھانے کے بعد انگریزوں نے اسلامی مصادر کی جڑوں کو متزلزل کرنے کا منصوبہ بنایا اور مسلمانوں کو دین حنیف سے گمراہ کرنے کی بڑے پیمانے پر سازش رچائی۔حصول تعلیم کے سلسلے میں ضرورت سے زیادہ سہولت فراہم کر کے مسلم طلبہ کو غلط کردار اور غیر اسلامی افکار کے حامل بنانے پر زور دیا۔چنانچہ جو مسلم طلبہ انگریزی جامعات سے تعلیم حاصل کر کے نکلے ان کے اندر ایمانی بصیرت اور خوف آخرت کا فقدان ہوتا ہے۔مغربی جامعات میں حصول تعلیم کے بعد جو طلبہ اپنے دین پر اسی طرح قائم رہے جیسا کہ اس دین کا تقاضا ہے تو ان کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔

بیسویں صدی بھی اپنے عروج وزوال کی کش مکش میں گزر گئی اور آج پوری دنیا ایک نئی صدی میں قدم رکھ چکی ہے۔یہ نئی صدی کس دین و ملت کے حق میں سازگار ہوگی اس کا قبل از وقت فیصلہ کرنا ناممکن ہے البتہ اس کی توقع ضرور کی جاسکتی جیسا کہ آثار وقرائن سے پتا چلتا ہے کہ اسلام ہی غالب رہے گا۔اس عرصے میں اسلام کو عیسائیت بالخصوص مغرب نے جس انداز سے نقصان پہنچایا اور مسلمانوں کے اوپر مظالم کیے یہاں تک کہ دین مبین سے پھرنے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کیے۔اس کے باوجود پچھلی صدیوں میں غیر معمولی طور پر مسلمان ایک حد تک اہل مغرب کے اذہان وقلوب کو اسلام کی طرف پھیرنے میں کامیاب ہوئے اور آج بھی یورپ اسلام کی اس تیز رفتار اشاعت پر انگشت بدنداں ہے۔نہ معلوم اس دین میں کون سی اعجازی قوت پوشیدہ ہے یا کون سی طاقت اس کے ساتھ مخلوط کردی گئی ہے اور نہ معلوم کیا قصہ ہے کہ لوگ آج بھی روح کی گہرائیوں کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں۔اسلام کے خلاف مغرب کی جنگ دراصل سیاسی، تہذیبی، معاشی بنیاوں پر ہے۔عیسائیت الہامی سلسلۂ ادیان میں سے اہم دین ہے اور اسلام اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔یہ دونوں ادیان آسمانی ہیں۔یورپ اس باریکی کو بھول گیا کہ جس دین کی بنیاد سچ پر ہو اس میں بہت دن تک تصادم نہیں ہوسکتا۔چوں کہ محمد ﷺ کا دین تمام ادیان میں اکمل اور آخری ہے، اس لیے اس دین کے ماننے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی ہوتا رہے گا، اور کوئی بعید نہیں کہ اس صدی میں اسلام کی اسپرٹ مغرب کی رگ و پے میں سرایت کرجائے۔

بلجیم کے دو تحقیقی اداروں نے لکھا ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں صرف ''کانگو'' میں چار ہزار مسلمان تھے جب کہ آج مانیہ، کیوا اور اسٹانلی ویل میں مسلمانوں کی تعداد 6 لاکھ 36 ہزار ہوگئی ہے۔یہ تو صرف ایک مخصوص علاقے اور حلقے کی گفتگو ہے۔عصر حاضر میں پوری دنیا کی مسلم آبادی میں اضافہ ہوا ہے۔قبول اسلام کی وجہ سے 20ویں صدی کے آغاز پر دنیا کی مسلم آبادی کا تناسب دوسرے مذاہب کے مقابلے میں صرف 12 فیصد تھا، مگر صدی کے اختتام پر یہ تناسب 19 اعشاریہ 2 فیصد ہو چکا ہے۔یہ اضافہ صرف ایشیا اور افریقہ کے ممالک تک محدود نہیں بلکہ یورپ وامریکہ میں بھی قبول اسلام کے واقعات روز افزوں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ روح تنقید وتحقیق کے مقابلے میں دنیا کے مذاہب میں سے اگر کوئی مذہب ٹھہر سکتا ہے بلکہ اس سے زیادہ صحیح الفاظ میں اگر کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو لے کر آگے بڑھ سکتا ہے اور انتہاء ترقی اور روشن خیالی کے دور میں پوری انسانیت کا مذہب بن سکتا ہے تو وہ صرف مذہب اسلام ہے۔یہ وہ سونا ہے کہ جتنی بار اسے پرکھا گیا کھرے کا کھرا ہی رہا بلکہ اس کا کھرا پن پرکھنے پر مزید کھرا پن سامنے آیا اور اگر اس عالم کے اندر مستقبل میں کوئی ایسا وقت آئے کہ پوری دنیا ایک ہی مذہب قبول کرلے تو بلاشبہ وہ مذہب اسلام ہوگا۔

مشہور غیر مسلم مصنف جارج برناڈ شا نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں تمام مذہب کے علماء کی ایک مجلس منعقد کی۔اس میں ایک دوسرے کے مذہب کا خوب مذاق اڑایا گیا ہے، لیکن بالا آخر سب سے بحث و مباحث کے بعد برناڈ شا نے جو نتیجہ مرتب کیا وہ یہ ہے ''سو برس کے اندر اندر دنیا اور بالخصوص انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑے گا جو یا تو اسلام ہوگا یا اسلام سے بہت کچھ ملتا جلتا ہوگا۔''

کیا اس حقیقت سے انکار کی گنجائش ہے کہ آج اسلام کے ماننے

والوں یعنی مسلمانوں کا ذاتی عمل نہ قرآن کی تعلیم پر ہے اور نہ محمد ﷺ کے پیغام پر۔ خود آپسی نزاعات اور اونچ نیچ کی تفریق کے شکار ہیں۔ کلام الٰہی کے افہام وتفہیم کے بجائے اور اسے چومنے چاٹنے اور طاقوں میں سجانے کو معراج عقیدت و محبت تصور کرتے ہیں۔ اس پر عمل کرنے کے بجائے انسان کے بنائے ہوئے قوانین وروایات پر عمل کرتے ہیں۔ ایک خدا کی اطاعت و بندگی کو چھوڑ کر غیروں کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اس لیے آج مسلمان ساری اقوام میں ذلیل سمجھے جارہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا لوگ اسلامی تمدن، مسلمانوں کے عادات واطوار اوران کے طریقۂ عبادات کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے۔ مسلمان اپنے دین پر عامل ہو کر جب تک اپنے دین کی دعوت دیتے رہے، اس کی بلند اخلاق تعلیمات اوراس کی خوبیوں کا درس دیتے رہے لوگوں نے ان سے محبت کی، ان کا وجود اپنے ملک کے لیے برکت اور کامیابی کا ذریعہ سمجھا اوران کے چلے جانے پر افسوس کر کے روئے۔

لیکن آج نقشہ بالکل مختلف ہے۔ اسلام سے عدم واقفیت کی وجہ سے وہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور اسلام کے نام سے ان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر مسلمانوں نے دعوت دین کے اہم فریضے کو ادا کیا ہوتا تو آج دنیا کا یہ نقشہ ہرگز نہ ہوتا۔ آسمانی شریعت اور آسمانی کتب سے محروم یہ قوم اسلام کی خوبیوں کو دیکھتی تو شوق سے اسلام کی طرف لپکتی اور مسلمانوں سے محبت کرنے میں اپنی کامیابی سمجھتی۔

اس امر کو تو سب جانتے ہیں کہ اسلام کی قرون رفتہ کی بازیابی کا واحد ذریعہ تمام مسلمان اور جماعتوں کے درمیان وحدت واتحاد ہے تو مسلم برادری کو دوسری چیزوں سے زیادہ ان مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے جس کی سبب سے ہم امت کے حقیقی مفہوم سے الگ ہو کر فرقوں، جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ جی ہاں ہم لوگوں کو ایک بار پھر وحدت کے اہم ترین محور ومرکز اور ہدایت امت کے منشور کی حیثیت سے قرآن وسنت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی پریشانی یہ ہے کہ نہ صرف عام مسلمان بلکہ عالم اسلام کے اکثر نامور افراد و دانشور حضرات نے بھی ان عظیم وگراں قدر مذہبی قدروں کی طرف سے بے توجہی اختیار کر رکھی ہے جو ایک مستحکم مکتب فکر کی حیثیت سے مسلمانوں کو اتحاد اور ہم بستگی کی دولت سے مالا مال کر سکتی ہیں۔ اقتصادی، سیاسی اور سماجی مسائل میں انہی مکتبۂ فکر سے تضاد رکھنے والے دیگر مکاتب فکر کے اصولوں کی وجہ سے ایسے ایسے دشوار حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ وحدت واتحاد جیسی اہم ضرورت کو سمجھنا اور اس کو عملی جامہ پہنانا محال اور ناممکن معلوم ہونے لگا ہے اور اس سلسلے میں کی جانے والی کوشش بھی ناکام ہوگئی ہے۔ اگر پیغمبر ﷺ اور قرآن کریم کی تعلیمات عالیہ کو اسلامی معاشروں پر تسلط وغلبہ حاصل ہوتا تو عظیم اسلامی اتحاد کی تشکیل میں ذرہ برابر دشواری نہ ہوتی۔ چنانچہ امت مسلمہ کے زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:

''مسلم حکمرانوں اور سلاطین نے اسلام کے سیاسی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ انہوں نے ملت کے تصور کو سمیٹ کر ملکی قوانین اور مذہبی رسوم تک محدود کر دیا۔ انہوں نے اگر چہ شریعت کے معاملات کو علماء کے حوالے تو کر دیا، لیکن سرکاری معاملات کو شریعت کے بجائے عقل پر منحصر کر رکھا۔ بعد کے مسلم معاشروں نے اسلام کا خون تو باقی رکھا، لیکن مغز کو فراموش ہونے دیا۔ انسانی مساوات اور اکرام خواتین، غلام کی نجات، مساکین اور ضرورت مند کی، یتیموں اور بیواؤں کی امداد وخیرات کو نظر انداز کیا شان دار سلطنتیں قائم کی گئیں۔ دولت وقوت اور عیش کے راستے کو اختیار کیا۔ ان تبدیلیوں نے مسلم ریاستوں کی جڑوں کو ہی ہلا دیا اور مغرب کے تہذیبی گھس پیٹھیوں کے سیلاب کا راستہ کھول دیا۔ یکے بعد دیگرے مسلم ریاستیں مغربی استعمار کا شکار ہوتی گئیں۔ ریاستی بالا دستی نے تہذیبی گھس پیٹھیوں کو راہ دی جس کی وجہ سے دین اور ریاست کو خطرہ لاحق ہوا۔ اس کے بعد کچھ رد عمل ظاہر ہوا۔''

آج مسلمان احساس کمتری کا شکار ہیں۔ بہت سے مسلمان مغربی تمدن کے اتنے دل دادہ ہیں کہ ہر چیز کو مغربی عینک سے دیکھتے ہیں۔ مغربی افکار ان کے اندر اتنے راسخ ہو چکے ہیں کہ ان کا عقیدہ ہی ہو گیا ہے کہ ترقی و پیش رفت کے لیے قدم بقدم اصول ہوں یا فروع، اخلاق ہوں یا آداب وقوانین غرض دنیا کی ہر چیز میں مغرب کی تقلید واجب و لازم ہے مغرب سے آئی ہوئی ہر بات ان کے لیے سچی اور صحیح ہے۔ یہ لوگ ہر مغربی نظریے کو قبول کر لینا ابدی سمجھتے ہیں۔ مغربی علمی تمکن ان کے ذہنوں پر اتنا چھا گیا ہے کہ بہت ہی آسانی کے ساتھ وہ اپنے ارادے، مادی ومعنوی سرمائے، مذہبی وملی سنن وآداب کو اس کے قدموں پر نچھاور کرنے کو تیار ہیں۔ مغرب کی پیروی ہی کو متمدن معاشرے کی بنیاد مانتے ہیں۔ مسلمانوں کی مادی معنوی قوت کی مفلوجی اوران کی ذلت وبدبختی کی سب سے بڑی وجہ یہی ذہنی تقلید ہے۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ مغرب کے پاس صرف ان کے مسائل کا حل ہے

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

ستر پوشی کے تقاضے اور لباس

قرآن پاک میں اللہ نے اپنی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے، قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے زینت اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہو۔'' (الاعراف)

خدا نے شرم وحیا انسان کی فطرت میں پیدا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم اور حضرت حوا سے جنت کا لباس فاخرہ اتروا لیا گیا تو وہ جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔ اس لیے لباس میں اس مقصد کو سب سے مقدم سمجھئے اور ایسا لباس منتخب کیجئے جس سے ستر پوشی کا مقصد بخوبی پورا ہو سکے۔ ساتھ ہی اس کا بھی خیال رہے کہ لباس موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت کرنے والا بھی ہو اور ایسے سلیقے کا لباس ہو جو زینت وجمال اور تہذیب کا ذریعہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اسے پہن کر آپ کوئی عجوبہ یا کھلونا بن جائیں اور لوگوں کے لیے ہنسی اور دل لگی کا موضوع مہیا ہو جائے۔

۲۔ بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ تقویٰ کے لباس سے باطنی پاکیزگی بھی مراد ہے اور ظاہری پرہیزگاری کا لباس بھی۔ یعنی ایسا لباس پہنئے جو شریعت کی نظر میں پرہیزگاروں کا لباس ہو، جس سے کبر وغرور کا اظہار نہ ہو، جو نہ عورتوں کے لیے مردوں سے مشابہت کا ذریعہ ہو اور نہ مردوں کے لئے عورتوں سے مشابہت کا۔

۳۔ نیا لباس پہنیں تو کپڑے کا نام لے کر خوشی کا اظہار کیجئے کہ خدا نے اپنے فضل وکرم سے یہ کپڑا عنایت فرمایا اور شکر کے جذبات سے سرشار ہو کر نیا لباس پہننے کی وہ دعا پڑھیے جو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب کوئی نیا کپڑا، عمامہ، کرتا یا چادر پہنتے تو اس کا نام لے کر فرماتے:

''خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ لباس پہنایا، میں تجھ سے اس کے خیر کا خواہاں ہوں اور میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، اس لباس کی برائی سے اور اس کے مقصد کے اس برے پہلو سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔''

''جو شخص نئے کپڑے پہنے اگر وہ گنجائش رکھتا ہو تو اپنے پرانے کپڑے کسی غریب کو خیرات میں دیدے۔''

۴۔ کپڑے پہنتے وقت سیدھی جانب کا خیال رکھئے، قمیص، کرتہ، شیروانی اور کوٹ وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھی آستین پہنئے اور اسی طرح پائجامہ وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھے پیر میں پائنچہ ڈالئے۔ نبی کریم ﷺ جب قمیص پہنتے تو پہلے سیدھا ہاتھ سیدھی آستین میں ڈالتے اور پھر الٹا ہاتھ الٹی آستین میں ڈالتے۔ اسی طرح جب آپ جوتا پہنتے تو پہلے سیدھا پاؤں سیدھے جوتے میں ڈالتے پھر الٹا پاؤں الٹے جوتے میں ڈالتے اور جوتا اتارتے وقت پہلے الٹا پاؤں جوتے سے نکالتے پھر سیدھا پاؤں نکالتے۔''

۵۔ کپڑے پہننے سے پہلے ضرور جھاڑ لیجئے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی موذی جانور ہو اور خدانخواستہ کوئی ایذا پہنچائے۔ نبی کریم ﷺ ایک بار ایک جنگل میں اپنے موزے پہن رہے تھے، پہلا موزہ پہننے کے بعد جب آپ نے دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا تو ایک کوا جھپٹا اور وہ موزہ اٹھا کر اڑ گیا اور کافی اوپر لے جا کر اسے چھوڑ دیا۔ موزہ جب اونچائی سے نیچے گرا تو گرنے کی چوٹ سے اس میں سے ایک سانپ دور جا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور ارشاد فرمایا: ''ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔''

(طبرانی)

۶۔ لباس سفید پہنئے۔ سفید لباس مردوں کے لئے پسندیدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''سفید کپڑے پہنا کرو، یہ بہترین لباس ہے، سفید کپڑا ہی زندگی میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑے میں مردوں کو دفن کرنا چاہئے۔'' (ترمذی)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''ریشمی لباس نہ پہنو کہ جو اس کو دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں اس کو نہ پہنے گا۔''

(بخاری مسلم)

ایک بار حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ریشمی کپڑے کو پھاڑ کر اور اس کے دوپٹے بنا کر ان کو فاطماؤں میں تقسیم کردو۔'' (مسلم)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین کے لیے ریشمی کپڑا پہننا پسندیدہ

ہے۔اسی لیے آپ نے حکم دیا کہ خواتین کے دوپٹے بنادو،ورنہ کپڑا تو دوسرے کاموں میں بھی آ سکتا ہے۔

۶۔عورتیں ایسے باریک کپڑے نہ پہنیں جس میں سے بدن جھلکے اور نہ ایسا چست لباس پہنیں جس میں سے بدن کی ساخت اور زیادہ پرکشش ہوکر نمایاں ہو اور وہ کپڑے پہن کر بھی ننگی نظر آئیں ۔ نبی کریم ﷺ نے ایسی آبرو باختہ عورتوں کو عبرتناک انجام کی خبر دی ہے۔

''وہ عورتیں بھی جہنمی ہیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں، دوسروں کو رجھاتی ہیں اور خود بھی رجھتی ہیں۔ان کے سرناز سے بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ٹیڑھے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی، درآنحالیکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے آتی ہے۔''

(ریاض الصالحین)

ایک بار حضرت اسماءؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ سامنے آئیں تو آپ ﷺ نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا:''اسما! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ منہ اور ہاتھ کے علاوہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔''

۷۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مرد کا سا لباس پہنے۔(ابوداؤد)

۸۔خواتین دوپٹہ اوڑھنے کا اہتمام رکھیں اور اس سے اپنے سر اور سینے کو چھپائے رکھیں۔دوپٹہ ایسا باریک نہ اوڑھیں جس سے سر کے بال نظر آئیں۔دوپٹے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے زینت کو چھپایا جائے۔

۹۔حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اکرم ﷺ کیا یہ تکبر اور غرور ہے کہ میں نفیس اور عمدہ کپڑے پہنوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں، بلکہ یہ تو خوبصورتی ہے اور خدا اس خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔(ابن ماجہ)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کو کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے پہننے والے کے بدن پر رہیں گے پہنانے والے کو خدا اپنی نگرانی اور حفاظت میں رکھے گا۔

(ترمذی)

(راشٹریہ سہارا)

☆☆☆

دستور قرآنی

رسول پاک کا دستور کیا تھا روح قرآں تھا
جو اس آئین پہ چلتا تھا وہی پکا مسلماں تھا
اسی قرآن میں ہیں اسوۂ حسنہ کی تفسیریں
اسی میں پاؤگے تم زندگی کی ساری تعبیریں
صداقت بھی اسی میں ہے عدالت بھی ،شجاعت بھی
سیاست بھی،امامت بھی، زمانے کی قیادت بھی
اسی دستور کو صدیق اکبرؓ نے چلایا تھا
اسی کے سامنے فاروقؓ نے سر کو جھکایا تھا
یہی قرآں کھلا تھا جب کسی نے سر کٹایا تھا
علی مرتضیٰؓ نے اس کو سینے سے لگایا تھا
اسی قرآن سے خوابیدہ روح بیدار ہوتی ہے
جہادِ زندگانی کے لیے تیار ہوتی ہے
نہ دیکھوگے کبھی تم امتیاز رنگ و بو اس میں
مساوات واخوت پاؤگے ہر چار سو اس میں
یہی قرآں حقوق اللہ کی تشریح کرتا ہے
اطاعت کرنے والوں کے مقدر کو بدلتا ہے
اسی پیغام میں ہیں ولولے آفاق گیری کے
یہاں اسباق ہیں تیرے لیے روشن ضمیری کے
شبانہ روز تیری زندگی کا ترجماں ہے یہ
یقیں کرلے کہ سب نوعِ بشر کا پاسباں ہے یہ
فضائیں اس جہاں کی نور افشاں سی نظر آئیں
الٰہی تیرے بندے قرآں کو جو اپنائیں

لال دین اخگر

ہمارا ایمان اتنا کمزور ہے کہ معمولی اور چھوٹی باتوں سے بھاگ جاتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے

ایک گاؤں میں ایک بزرگ قسم کے آدمی تھے جو چالیس سالوں سے مسلمانوں کی خدمت کرتے آرہے تھے۔ مالی اور علمی خدمات کے علاوہ عوام کے دکھ سکھ میں ہمیشہ ساتھ رہتے۔ مذہبی قسم کے آدمی تھے۔ ایک مرتبہ مقامی بی جے پی لیڈر کسی ذاتی مسئلہ سے ان سے ملنے آئے۔ انہوں نے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بٹھایا، چائے پلائی، اور وہ لیڈر چلے گئے۔ بس اتنی سی بات پر پروپیگنڈہ ہوگیا کہ فلاں بزرگ بی جے پی میں شامل ہوگئے۔ مسلمانوں کے دشمن ہوگئے، ایسے ہوگئے ویسے ہوگئے۔ بزرگ نے اس کی تردید کی، اسلامی اخلاق کی بات کی، مگر عوام عوام تھے، بزرگ کی تردید کو قبول نہیں کیا، بزرگ کو کبھی بھی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں بھی ایسا غصہ آیا کہ تنگ آکر بی جے پی میں شامل ہونے کا اعلان کیا، اور آج تک وہ اپنے غصہ پر قائم ہیں۔

اور ایک اہل قلم اور اہل فکر عرب ملکوں کے ذاتی دورہ پر گئے۔ بیت المقدس دیکھنے کی آرزو تھی اس لئے اسرائیل بھی گئے۔ عوام کو معلوم ہوا۔ بس کیا تھا یہودی کا لیبل لگ گیا۔ مجھے ایک جگہ سے تقریر کا دعوت نامہ آیا، مسلمانوں کے موجودہ حالات پر تقریر کرنی تھی، دوسو کلومیٹر کا سفر کا رکا سفر۔ شہر میں داخل ہوئے، مسجد کے مینار نظر آئے، اندر گئے، نماز پڑھ کر واپس ہوئے جلسہ گاہ گئے۔ دعوت دینے والوں نے اعتراض کیا آپ اس مسجد میں نماز پڑھنے کیوں گئے۔ جلسہ ملتوی، دعوت کینسل، تقریر نہیں ہوئی دعوت دینے والوں کا جو مسلک تھا وہ مسجد ان کی نہیں بلکہ دوسرے مسلک والوں کی تھی۔ بس اتنی سی بات پر پورا پروگرام منسوخ۔ ایسی کوئی غلطی ضرور ہے جس کی بنا پر قوم کا مزاج اس طرح کا بن گیا ہے۔ وہمی ہوگئے، مخالف کی بات سننے پر آمادہ نہیں، اپنے خیال سے ہٹ کر دوسروں کے خیال کو سننے کو تیار نہیں، ہمارا ایمان اتنا کمزور ہوگیا ہے۔ یہ کرنے سے ایمان بھاگ جاتا ہے، وہ کرنے سے ایمان ٹوٹ جاتا ہے، ایسا کریں تو ایمان کمزور ہوجاتا ہے۔ آخر ہمارا ایمان اتنا کمزور کیوں ہوگیا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر ختم ہوجاتا ہے۔ جن باتوں پر واقعی ایمان کمزور ہوتا ہے اس پر ہماری توجہ نہیں، اخلاق و کردار میں ہم کمزور، لین دین اور معاملات میں ہم کمزور، زبان کے پکے نہیں، وعدہ کا پاس نہیں، ہماری زبان اور ہمارے ہاتھ اور ہماری طاقت سے ہم دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان باتوں سے ایمان کمزور ہوتا ہے۔ آپ نے مختلف کھیلوں میں دیکھا ہوگا، دو دشمن ٹیم کے کھلاڑی سے مقابلہ سے پہلے بھی ملتے ہیں، اور مقابلہ کے بعد بھی ملتے ہیں۔ ہارا ہوا کھلاڑی اور ہاری ہوئی ٹیم جیتی ہوئی ٹیم کو ہاتھ ملا کر مبارک باد دیتی ہے۔ اسے بڑا دل اور اعلیٰ ظرف کہتے ہیں۔ بات مدرسوں سے شروع ہوتی ہے۔ بات اسکولوں سے شروع ہوتی ہے اگر ہم بچپن ہی سے ہر مکتبہ فکر کے معلومات کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کریں تو شاید اتنے تنگ نظر اور اتنے تنگ خیال نہ ہوں۔ بنگلور میں کتابوں کا میلہ تھا سات سو کتابوں کی دکانیں، روزانہ آنے والوں کی تعداد، اور کتابیں خریدنے والوں کی تعداد، چار ہزار دنیا کے بڑے بڑے کتاب گھروں کی جانب سے دکانیں، ہم نے دیکھا کہ کتاب میلہ میں ایک دکان ہے۔ رام کرشن اور دیوی، دیوتاؤں کی تصویروں سے بھری دکان، اس دکان میں اسلام کے تعلق سے انگریزی زبان میں بہت بڑا ذخیرہ۔ کوئی کتاب ایک ہزار روپیہ سے کم نہیں۔ دلچسپی بڑھی، کھڑے ہوگئے، غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی تعداد، ہزاروں روپیہ دے کر اسلام کے موضوع پر کتابیں خرید رہے ہیں۔ یورپ کے الگ ملکوں میں چھپی کتابوں کی فروخت سے خوشی ہوئی۔

عقیدہ صحیح ہو، عقیدہ کیا بنیاد صحیح ہو، خدا اور رسول کے احکامات پر پکا یقین ہو۔ اس پر عمل کا ارادہ اور نیت ہو تو خدا کی مدد حاصل ہوگی۔ آج کیا ہو رہا ہے، دس سال کی دوستی دس منٹ میں ختم ہوجاتی ہے۔ پندرہ سالوں کے تعلقات معمولی بات پر ٹوٹ جاتے ہیں۔ سنی سنائی باتوں پر غلط فیصلے کر دیتے ہیں، غلط فیصلہ پر قائم رہنے اور بڑی غلطی کرتے ہیں۔ معذرت کو قبول نہیں کرتے، معافی کو قبول نہیں کرتے، تردید کو قبول نہیں کرتے، دوسروں کی صفائی کو قبول نہیں کرتے، ان باتوں کا تعلق بھی ایمان سے ہے۔ (بشکریہ: القدس)

☆☆☆

ملکی وعالمی خبریں

مسلم واعظوں اور خطیبوں کے خلاف

جرمنی میں کارروائی کاامکان

جرمنی میں نفرت کی تعلیم دینے والے مسلم واعظوں اور خطیبوں کے خلاف مستقبل میں سخت کارروائی کرے گا اور ضرورت پڑنے پر انہیں ملک بدر کردے گا۔ یہ اعلان جرمنی کے وزیر داخلہ اوٹوشلی نے کیا۔ شلی نے بتایا کہ ہمیں ایسے واعظوں اور خطیبوں کو تلاش کرنا ہوگا اوران کے رہائشی حقوق ختم کرنے ہوں گے۔

شلی نے یہ بیان ایسے وقت میں دیا ہے جب تقریباً دو ہفتہ پہلے پڑوسی ملک نیدرلینڈ میں ایک ڈچ فلم ساز کے قتل کے بعد مذہبی کشیدگی پیدا ہوگئی تھی اوراس معاملے میں ایک مراقشی نژاد ڈچ شہری کی گرفتاری کے بعد مذہبی مقامات پر حملوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

شلی نے کہا کہ ہم نے نیدرلینڈ میں جو کچھ دیکھا وہ تشویشناک ہے۔ انہوں نے حکام پر ایک نئے قانون کی توضیعات کو مناسب ڈھنگ سے نافذ کرنے پر زوردیا۔ جس میں محدود امیگریشن کی اجازت دی گئی ہے یہ قانون یکم جنوری سے نافذ ہو رہا ہے۔ (قومی آواز)

☆☆☆

ایک امریکی فوجی کو ہلاک کرنے کاانعام ۳ہزار ڈالر

مزاحمت کارگروپوں نے قابض امریکی فوج کے ایک فوجی کو ہلاک کرنے کی قیمت ۳۰۰۰ رہزار ڈالر مقرر کی ہے۔ پاکستانی روزنامہ جنگ نے ایک امریکی اخبار کے حوالے سے خبر دی ہے کہ عراقی نیشنل گارڈز کے اہلکار کو ہلاک کرنے کی قیمت ۲۰۰۰ رہزار ڈالر اور اتحادی فوج کا ساتھ دینے والے کو ہلاک کرنے کی قیمت ایک ہزار ڈالر رکھی ہے۔ اس بھاری اور پرکشش انعام کی وجہ سے عراق کے نوجوان مزاحمتی تحریک کا تیزی سے حصہ بن رہے ہیں اور اتحادی افواج کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ (سہارا خبر)

☆☆☆

افغانستان کو ''منشیاتی ملک'' قرار دینے کا انتباہ

اقوام متحدہ نے متنبہ کیا ہے کہ افیون کی کاشت میں دو تہائی اضافہ کی بنا پر افغانستان کو ڈرگ اسٹیٹ یعنی ''منشیاتی ملک'' قرار دیا جاسکتا ہے۔ کل برسیلز میں جاری ایک رپورٹ میں امریکہ اور کثیر الملکی ناٹو افواج پر زور دیا گیا ہے کہ وہ طالبان جنگجوؤں کے ساتھ ساتھ منشیات کی کاشت کا بھی انسداد کریں۔ رپورٹ کے حوالے سے بی بی سی نے اطلاع دی ہے کہ دنیا میں افیون کی کل پیداوار کا ۸۷ فیصد حصہ افغانستان سے آتا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں اس کاروبار کی مالیت کا تخمینہ ۲ ارب ۸۰ کروڑ ڈالر لگایا گیا تھا جو افغانستان کی مجموعی داخلی پیداوار کے ۶۰ فیصد کے مساوی تھا۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ طالبان اور القاعدہ سے نجات کے بعد افغانستان کو افیون کی پیداوار سے نہ روکنا ایک تاریخی غلطی ہوگی۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کہتی ہے کہ افیون اس وقت اقتصادی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ اور ماضی میں حریف ومتحارب رہنے والوں کے درمیان سب سے بڑا رشتہ ہے۔ اقوام متحدہ کے دفتر برائے منشیات وجرائم کے ایگزیکیٹو ڈائرکٹر انتونیو ماریکا کوسٹا کا کہنا ہے کہ یہ رپورٹ خواب غفلت سے بیداری کی آواز ہے اور افغانستان حکومت اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے انتہائی کمزور ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی اور کثیر الملکی ناٹو افواج کو منشیات کا کاروبار کرنے والوں کے خلاف فوجی آپریشن کرنا چاہئے۔ (سہارا)

☆☆☆

نائب صدر جمہوریہ کی سرکاری رہائش گاہ میں چوری

نائب صدر کی سرکاری رہائش گاہ میں نقب زنی کا انوکھا واقعہ پیش آیا ہے۔ اطلاع کے مطابق نقب زن مسٹر بھیروں سنگھ شخاوت کے دفتر سے ایک کمپیکٹ ڈسک رائٹر سمیت کئی سامان چرا کرلے گئے ہیں۔ پولس نے آج بتایا کہ نائب صدر کے دفتر میں دیوالی سے پہلے یہ واردات ہوئی تھی لیکن ایف آئی آر ۱۶ رنومبر کو درج کرائی گئی ہے۔ پولس کا کہنا ہے کہ چوری کی یہ واردات اندر کے ہی کسی فرد نے کی ہے۔ مسروقہ سامان میں سی ڈی رائٹر کے علاوہ ایک اسپیکر بھی شامل ہے۔ بمشکل پانچ ہزار روپے کا سامان چرایا گیا ہے۔ توڑ پھوڑ یا زبردستی داخل ہونے کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے۔ تفتیش جاری ہے۔ کسی کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی ہے۔ (سہارا)

☆☆☆

روس جہاں ہر سال بیس ہزار افراد اسلام قبول کرتے ہیں

امریکہ اور برطانیہ میں اسلام قبول کرنے والوں کے تعلق سے اخبارات میں خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مگر روس کے تعلق سے عوام بہت کم جانتے

ہیں۔ روس آج بھی رقبہ کے حساب سے سب سے بڑا ملک ہے۔ روس میں اس وقت دو کروڑ بتیس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ جملہ آبادی پندرہ کروڑ ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ روس میں پندرہ فیصد مسلمان ہیں۔ روس کے اطراف مسلم ملکوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ آج روس کی حالت کیا ہے؟ وہاں روزانہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ روس کے مفتی اعظم کے مطابق ہر سال بیس ہزار لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔ چیچنیا، جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ روس سے آزادی کے لئے جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ روس کے مسلمان چیچنیا کی حمایت کرتے ہیں۔ پڑوسی مسلم ملکوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ان ملکوں میں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش جاری ہے۔ خاص کر مسلک کے جھگڑوں میں قتل وخون کے واقعات بھی ہوتے ہیں۔ اور تاجکستان جو ایک مسلم ملک ہے یہاں کی حکومت نے بیرونی علماء کا داخلہ بند کر دیا ہے کسی بھی دوسرے ملک سے مولویوں کے داخل ہونے پر پابندی ہے۔ تاجکستان حکومت کا کہنا ہے کہ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ دوسرے ملکوں سے جو علماء آتے ہیں تاجکستان کے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں۔ (القدس)

☆☆☆

عورت کو مسجد کمیٹی کارکن بنانے پر ناراضگی

سماجی کارکن نازنین برکت کو ایک مسجد کی کمیٹی کا رکن بنائے جانے سے مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ میں ناراضگی پائی جارہی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ملک میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کسی عورت کو مسجد کمیٹی کا ممبر بنایا گیا ہے۔ یہ ایسا ادارہ ہے جہاں مردوں کی ابھی بھی بالادستی ہے، لیکن اس قدم سے ایک نئی بحث شروع ہوگئی ہے۔ مسلم خواتین کے حقوق کی علم بردار سمجھی جانے والی ۵۹ سالہ نازنین برکت انتہائی مذہبی خاتون ہیں۔ انہیں حال ہی میں ایم ایس ایس وقف بورڈ کالج کی ایک مسجد کی کمیٹی کا رکن مقرر کیا گیا ہے۔ یونائیٹڈ مسلم جماعت نے جو کہ شہر میں ۸۹ مسجدوں کی سب سے بڑی کمیٹی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، اس قدم کی مذمت کرتے ہوئے اسے ''غیر اسلامی'' قرار دیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا)

☆☆☆

مراقش: رمضان میں اخراجات میں اضافہ

ویسے تو رمضان روزہ کا مہینہ ہوتا ہے۔ لیکن مراقش کے لوگ رمضان میں دیگر مہینوں کے مقابلے میں کھانے پینے پر ۲۸ فیصد زیادہ رقم خرچ کر ڈالتے ہیں اور ان کا وزن بھی بڑھ جاتا ہے۔ سرکاری تجزیہ میں یہ بات کہی گئی ہے۔ رمضان اسلامی کیلنڈر کے لحاظ سے انتہائی مقدس مہینہ ہوتا ہے جب مسلمان صبح سے شام تک کھانے، پینے اور بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں۔ مسلمان خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کر کے اس کی رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے روزہ رکھتے ہیں سرکاری پلاننگ کمیشن نے کل بتایا کہ ۱۵؍اکتوبر سے شروع ہونے والے رمضان کے دوران مراقش کے لوگ دیگر ماہ کی بہ نسبت کھانے پینے پر ۲۸؍فیصد زائد رقم خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اس رپورٹ میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ خرچ بڑھنے کی وجہ کیا ہے لیکن رمضان کے دوران دودھ اور دودھ سے بنی چیزوں اور انڈے وغیرہ کی کھپت بڑھ جاتی ہے۔ حالیہ عرصے میں عرب ملکوں میں افطار کے دوران لذیذ اور شاہی کھانوں کے چلن میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ماہرین صحت کے تجزیہ سے پتہ چلا ہے کہ رمضان میں بیشتر مسلمانوں کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ (سہارا)

☆☆☆

توہین رسالت کے ملزم کو عمر قید کی سزا

لاہور، ۳۰ نومبر (یو این آئی) فیصل آباد کی ایک مقامی عدالت نے جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کو توہین رسالت کے الزام میں عمر قید اور دس ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی ہے۔ جرمانے کی عدم ادائیگی کی صورت میں ملزم اقبال کو مزید چھ ماہ قید بھگتنی ہوگی۔ بی بی سی کے مطابق اقبال کے خلاف تھانہ تھرکی والا سمندری میں اس سال ۲۳ مارچ کو توہین رسالت کی ۲۹۵ سی کے تحت مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ مقدمہ کے مدعی چک ۲۲۷ کی مسجد کے امام ذوالفقار ہیں۔ انہوں نے الزام عائد کیا تھا کہ ملزم نے تھانے میں آ کر ان سے مذہب پر بحث وتکرار کی اور اس دوران اس نے پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کی۔ ملزم کے وکیل احمد ایڈوکیٹ نے کہا کہ انہوں نے ہائی کورٹ میں مقدمہ اس عدالت سے تبدیل کرنے کی درخواست بھی کی تھی جو سماعت کے لیے منظور نہ ہوسکی۔ پیر کو عدالت نے فیصلہ سنا دیا۔ جماعت احمدیہ کے ترجمان راشد جاوید نے کہا ہے کہ اقبال چار پانچ سال قبل جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے تھے اور ان کے خاندان کے دیگر تمام افراد نے ان کی مخالفت کی تھی اور انہیں یہ گاؤں چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ شادی کرنے کے بعد بھاولنگر کے ایک چھوٹے سے قصبے میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ پاکستان میں توہین رسالت کا قانون رائج ہے جس کے تحت اس کے مرتکب شخص کو سزائے موت تک دی جاسکتی ہے۔ پاکستان کی ماتحت عدالتیں عام طور پر ان مقدمات میں موت تک کی سزا سناتی ہیں جن میں اکثر اعلیٰ عدالتوں سے کالعدم قرار دی گئی ہیں۔ توہین رسالت کے مقدمات میں ملوث بعض افراد کو قتل بھی کیا جاچکا ہے اور بعض کو جلاوطنی کی زندگی بسر کرنا پڑ رہی ہے۔

نوٹ: اس خبر میں جس انداز سے توہین رسالت کی بات کہی گئی ہے، بہتر ہوتا کہ توہین رسالت کے وہ ''الفاظ یا جملے بھی بتا دئے جاتے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ کن الفاظ یا جملے کی بنا پر توہین رسالت ثابت ہوئی اور جس بنا پر انہیں سزائے عمر قید ہوئی۔ لیکن انتہائی بددیانتی سے وہ بحث وتکرار پر پردہ ڈال کر لوگوں کو گمراہ کیا گیا ہے۔ اور اپنی طرف سے صرف لفظ ''توہین رسالت'' کو افشا کیا۔ جو کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ ☆☆☆

آپ کے خطوط و آراء

محترم جناب مفتی ممتاز عالم صاحب

السلام علیکم مزاج گرامی!

چودھویں صدی شمارہ ماہ اکتوبر ۲۰۰۴ء رمضان المبارک نمبر بصد شکریہ کے ساتھ موصول ہوا۔ عمدہ مضامین پر مشتمل ہے۔

درحقیقت دین کی تعلیم واشاعت ایک عظیم فریضہ ہے اور مسلسل جدوجہد کا متقاضی بھی ہے۔

دور حاضر میں دین کو فن کی شکل میں تبدیل کرنے کا عمل جاری ہو گیا ہے جبکہ فرد کی اصلاح کے لیے قرآن کریم کے ذریعہ اسلامی تحریک کی بنیاد قائم ہے۔ عبادت کو فقہی ناپ تول کے ظاہری عمل کے طور پر تصور کیا جانے لگا۔ روزہ، نماز، حج، زکوۃ، خیرات، رسومات کی طرح ادا کیے جاتے ہیں۔ خشوع وخضوع کے ساتھ نہیں۔ ان ارکان کی ادائیگی اور فرائض کے پس پشت جو فلسفہ ومقاصد اور لطیف روحانیت کے ساتھ جو احساس وابستہ ہے وہ معاشرتی پہلو سے لطف اندوز ہونے کے جذبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں افراد کو بشری تقاضوں کے تحت دین کی پاکیزہ عمل فکر ونظر سے منسلک رہنے کی تاکید وہدایت شامل ہے۔ کاش کہ اللہ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دین صرف رسومات کی ہی ادائیگی کا نام نہیں، اس کے مطابق فکر ونظر کے ساتھ عمل سے ہی دین کا حق ادا ہوتا ہے۔

نوٹ: محترم ایک حقیر مشورہ ہے کہ اگر ممکن ومناسب تصور فرمائیں اور نشر واشاعت میں کوئی زحمت یا دیگر پہلو دشوار طلب نہ ہو تو صاحب مضمون اور خط کے نام کے ساتھ اس کا پتہ بھی شائع ہو جائے تو اس سے قاری حسب خواہش براہ راست صاحب مضمون وخط کو اپنی رائے ودیگر کسی پہلو پر گفتگو تحریر کر سکتا ہے اس سے ادارہ کو بھی زحمت سے نجات مل جائے گی۔ شکریہ

امید ہے آپ بمعہ احباب ادارہ بخیریت ہوں گے۔

متمنی خلوص

ایس شفیق احمد ایڈوکیٹ

مکان نمبر ۳، مقابل کوٹھی بھوپال، شیام نگر، میرٹھ

☆☆☆

جواب : قابل صد احترام جناب ایس شفیق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید اغلب ہے کہ آپ مع اہل خانہ بخیریت وعافیت ہوں گے۔

حسب سابق آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، خدا آپ کے اس شوق کو قائم ودائم رکھے۔ آمین

چودھویں صدی سے متعلق آپ کے تبصرے ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، اور حوصلہ افزائی بھی۔

دین اسلام پھلنے پھولنے والا مذہب ہے، اس مذہب نے نامساعد حالات میں بھی ترقی کے منازل طے کئے ہیں اور ہر روز اس کے جلو میں افراد کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ خاص طور پر یورپ جیسے ملک میں جہاں یہودیت وعیسائیت اپنی ریشہ دوانیوں کے لیے مشہور ہیں۔ اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے اور یورپ کی خواتین بہت تیزی سے حلقہ بگوش اسلام ہو رہی ہیں لیکن یہاں ہمارے اپنے دینی بھائی اپنے کردار اور اعمال سے کورے ہیں، ورنہ یہاں کا پورا ماحول جس بے چینی اور افراتفری کا شکار ہے کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی تعلیمات کی طرف لوگوں کی رغبت میں اضافہ نہ ہو۔

اگرچہ بہت سے احباب مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت اور احکام اسلام کی بجا آوری میں کوشاں ہیں لیکن ان کے اندر اخلاص کم، ریاکاری ودکھاوا زیادہ ہے۔ اور عموماً عبادتوں کو رسم ورواج کے طور پر ادا کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں۔ اگر ہم خالصتاً اللہ کے لیے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم ہو جائیں اور تمام عبادات کو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے قرآن وحدیث کے فرمودات کے مطابق ادا کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہماری عظمت رفتہ واپس نہ آئے۔ پورے عالم میں قرون اولیٰ جیسا ماحول تیار نہ ہو جائے۔

خیر......آپ جیسے لوگوں اور ہماری مساعی کو اللہ جل شانہ دیکھ رہا ہے وہ جلد ہی کوئی ایسی صورت پیدا کرے گا۔ ہمیں اپنی کوشش جاری رکھنی ہے۔

باقی جناب کا مشورہ سر آنکھوں پر کہ ''صاحب مضمون ومراسلہ نگار کے ناموں کے ساتھ ساتھ ان کے پتے بھی شائع کئے جائیں۔''

دیر آید درست آید کے مطابق اس بابت احباب انجمن وادارہ سے مزید غور وخوض کے بعد بہتر صورت اختیار کی جائے گی۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس بارے میں صاحب مضمون بھی برملا اظہار فرماتے رہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں تاکہ فیصلہ لینے میں ادارہ کو کوئی دشواری نہ ہو۔

فقط والسلام ادارہ

مکرمی جناب ایڈیٹر ممتاز عالم صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بندہ خیریت سے رہ کر امید کرتا ہے کہ آپ تمام حضرات بھی عافیت سے ہوں گے۔ عرض اینکہ احقر کا وطن اصلی بیر گاچھی چوک ارریہ، بہار ہے۔ مگر بندہ اس وقت زیر تعلیم دارجدید مظاہر علوم سہارنپور (یوپی) ہے آپ کا ایک رسالہ جو مولانا نبی حسن صاحب دارالعلوم بیر گاچھی چوک ارریہ بہار کے پاس ملا۔ مولانا نے ہم کو مطالعہ کے لئے دیا تھا کیونکہ میں اس وقت سہارنپور سے ۱۵ر دن کے لیے گھر آیا ہوا تھا۔ اور میں دارالعلوم بیر گاچھی مولانا کے پاس جاتا تھا۔ خیر میں پورے سال سہارنپور میں رہتا ہوں، آپ کا رسالہ بہت اچھا لگا اگر آپ ہمارے نام سے جاری کردیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ فقط والسلام

محمد قیصر، سہارنپور

جواب: قابل احترام جناب برادر قیصر صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

یہ جان کر بیحد خوشی ہوئی کہ جناب کو ماہنامہ چودھویں صدی پسند آیا۔ حسب فرمائش آئندہ شمارہ آپ تک پہنچتا رہے گا۔ جناب سے گذارش ہے کہ رسالے کے مشمولات پر غور کے ساتھ ساتھ تر تیل مضامین بھی جاری فرمائیں اور ہماری خامیوں سے ہمیں آگاہ بھی کریں۔ رسالہ ہٰذا دین اسلام کی پرتو کو عام کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے اور ہمارا اور آپ کا یہ فرض ہے کہ اس کی اشاعت وتبلیغ میں سعی کریں۔ اگر ہو سکے تو اپنے دوست واحباب کو بھی اس جانب راغب فرمائیں، تاکہ ہمارا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔ رسالے میں مضامین لکھنے کے لیے راغب کریں۔

اپنی ذہنیت وسیع رکھیں اور اللہ رب العزت کی دی ہوئی عقل سلیم کا استعمال کریں۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ خط وکتابت وافہام وتفہیم کا یہ سلسلہ قائم ودائم رہے۔ والسلام ادارہ

☆☆☆

مکرمی جناب مفتی صاحب آداب ونیاز

چودھویں صدی کا تازہ شمارہ ملا۔ شمارے میں موجود مضامین معلوماتی اور تحقیقی ہیں۔ میرے اپنے حلقہ احباب میں کثیر تعداد میں لوگ ہندی زبان سے واقف ہیں۔ میں اپنے طور پر انہیں اردو تعلیم کی طرف لا رہا ہوں، میری پوری کوشش ہے کہ چودھویں صدی کو مقبول عام بناؤں۔

رسالے کے معیار ووقار کے لیے مبارک باد قبول کریں۔ میں دعا گو ہوں کہ رسالہ یوں ہی آپ کی ادارت میں اپنی آب وتاب بکھیرتا رہے۔

تفصیل سے پھر خط لکھوں گا۔

دعاؤں کا طالب ایس، آر فاطمی

جواب: برادر اسلام وصدیق مخلص جناب ایس، آر، فاطمی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے

جناب کی رسالت کی بابت مبارک بادی تہہ دل سے قابل قبول ہے آپ کے حلقہ احباب کے لیے ادارہ کے پاس ہندی اور انگریزی میں کافی لٹریچر موجود ہیں اگر جناب خواہشمند ہیں تو ہم آپ کو وہ کتابیں فراہم کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔

امید ہے کہ جناب حسب وعدہ جواب سے جلد از جلد نوازیں گے۔ چودھویں صدی کے لیے آپ فکر مند ہیں یہ بات ہمارے لئے باعث تسکین ومسرت ہے آپ حضرات کی مساعی جمیلہ سے ہی چودھویں صدی کی اشاعت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

خط وکتابت جاری رکھیں، خدا حافظ

☆☆☆

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب
السلام علیکم خلوص وبیکراں

اپنے ایک دوست کے یہاں سے آپ کا رسالہ چودھویں صدی لایا تھا۔ تمام مضامین پڑھ چکا ہوں، مجھے اس رسالے کی سادگی اور سچائی اچھی لگی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ میرے پتے پر اپنا رسالہ ارسال کریں۔ میں جلد ہی اپنے دوستوں کو کہہ کر کئی لوگوں کے پتے کی فہرست آپ کو بھیج دوں گا ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کو اشتہار کے لیے رقم بھی دیں گے۔

جواب سے ضرور نوازیں۔

آپ کا: راشد علی، جلگاؤں، مہاراشٹر

جواب: مکرمی جناب راشد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ مع اہل وعیال اور اپنے احباب بخیر ہوں گے

تازہ شمارہ آپ کو ارسال کیا جا رہا ہے، آپ کے خیالات پڑھ کر خوشی ہوئی، اپنے دوستوں کی فہرست بنا کر جلد ارسال فرمائیں تاکہ ان کے نام بھی رسالہ جاری کیا جاسکے۔

اسلام سادگی اور سچائی کا مذہب ہے اس لیے اس کا ترجمان رسالہ بھی سادہ ہی ہونا چاہئے۔ سچائی کا جہاں تک تعلق ہے یہ قارئین خود بتائیں گے۔

ہمارا کام دین کی اشاعت وتبلیغ ہے خدا ہمارے کام کو قبول کرے۔ چودھویں صدی کی روز افزوں ترقی یہ ثابت کرتی ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔

خط لکھتے رہیں اور شمارے کے بارے میں اپنی رائے بھی۔ ہم بہر صورت آپ کے شکر گزار ہیں۔ والسلام ادارہ